اللہ تعالیٰ کے رحم اور فضل کے ساتھ

جولائی 2014ء

ماہنامہ

قندیلِ ادب

مدیر: رانا عبدالرزاق خان
07886304637 & 02089449385
rana_razzaq@hotmail.com

تزئین: خورشید احمد خادمؔ
00 91 9815617814
khursheedkhadim@yahoo.co.in

نگرام ویب سائٹ: ایاز احمد راٹھور
www.bazmesherosukhan.co.uk

ماہنامہ قندیلِ اَدب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انٹر نیشنل لندن

شمارہ نمبر:19 جولائی 2014ء

مجلس ادارت

مبارک صدیقی، زکریا ورک، خواجہ عبدالمومن ناروے، راجہ منیر احمد

مدیر اعلیٰ : بشیر احمد رفیق لندن

مدیر : رانا عبدالرزاق خان

معاون مدیر : عامر مجید

مدیر خصوصی : سہیل لون

ڈیزائنر : خورشید احمد خادمؔ

منیجنگ ڈائریکٹر : عاصی صحرائی

فوٹوگرافی : قاضی عبدالرشید، فضل عمر ڈوگر

اراکین مشاورتی بورڈ

آدم چغتائی، منور احمد کنڈے، اقبال مجیدی، میاں فہیم الدین، ثقلین مبارک اور تنویر احمد آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن

وضاحت

قندیلِ اَدب انٹرنیشنل کسی سیاسی سماجی مذہبی گروہ یا فرقے کا ترجمان نہیں یہ نسل یا فرقوں کے اِمتیاز سے بالاتر ہے یہ صرف اُردو اَدب کی ترقی و ترویج کے لئے جاری کیا گیا ہے اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں قارئین کو آراء یا مضامین سے اختلاف کا حق حاصل ہے اور اس کے صفحات حاضر ہیں۔ تحریر کے ساتھ اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور ارسال کریں یہ آپ کا اپنا میگزین ہے۔

التماس

ہم سب دوستوں سے التماس کرتے ہیں کہ اپنے ادبی فن پارے، غزل، نظم، افسانہ، مشاعرے کی روئیداد وغیرہ جو بھی ان پیج میں ارسال کیا جائے گا۔ بلاتفریق اسے معیار کے مطابق شائع کیا جائے گا۔ جو دوست بھیجتے ہیں اُن کی قدر کی جاتی ہے۔ قندیل ادب اکثر ممالک میں پانچ ہزار قارئین تک جاتا ہے۔ اور ویب سائٹ سے بھی پڑھا جاتا ہے۔ اگر آپ کے پاس ادبی فن پارہ کوئی نہیں تو اپنے ریماکس ہی ارسال کر دیا کریں تاکہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں۔ شکریہ۔

(رانا عبدالرزاق خان)

فہرست

غزل	میر تقی میر	2
غزل	آدم چغتائی	2
غزل	جمشید مسرور ناروے	2
غزل	نورا جمیل نجمی	3
غزل	محمد افضل، ٹورانٹو کنیڈا	3
غزل	اقبال مجیدی	3
غزل	مبارک صدیقی	4
غزل	جواد عالم	4
مبارک مونگیری کا تعارف	اے آر راجپوت	4
غزل	صہبا اختر	5
غزل	عبدالمنان ناہید	5
اُردو زبان کا ارتقاء	رانا عبدالرزاق خاں	7
واپسی (افسانہ)	طلعت سلیم	9
غزل	سیما جبار	10
غزل	شاہین اختر شاہین	11
غزل	بانو راشد	11
غزل	پاکیزہ بیگ	11
غزل	جاوید اختر چوہدری	11
غزل	چمن لال چمن	12
غزل	خالد یوسف	12
غزل	خورشید پرویز	12
غزل	ڈاکٹر رحیم اللہ شاد	12
غزل	ڈاکٹر رضیہ اسمٰعیل برمنگھم	13
چند خوشگوار یادیں	بشیر احمد رفیق خان	13
مولوی	ہاشم علی رضا	14
مذہب کے نام پر قتل	عاصی صحرائی	15
نماز عشق ادا ہوتی ہے خون سے وضو کر کے	ارشاد عرشی ملک	16
غزل	ڈاکٹر نکہت افتخار	16
غزل	ڈاکٹر مہدی علی قمر	16
غزل	امجد مرزا امجد	16
غزل	منور احمد کنڈے	17
غزل	عبدالجلیل عبادؔ	17
غزل	راجہ محمد سلیمان شاہد جرمنی	17
تعارف مخدوم امجد شاہ میزبان ''شب	عاصی صحرائی	18
ٹمبکٹو کا انمول خزانہ۔ اسلامی مخطوطات	زکریا ورک کینیڈ	20

غزل ــ میر تقی میرؔ

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا
خاک ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا

اس سرے دل کی خرابی ہوئی اے عشق دریغ
تو نے کس خانہ مطبوع کو ویران کیا

ضبط تھا جب تئیں چاہت نہ ہوئی تھی ظاہر
اشک نے بہہ کہ مرے چہرے پہ طوفان کیا

تنہا شوق کی دل کے جو صبا سے پوچھی
اک کفِ خاک کوئی ان نے پریشان کیا

مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے
دردو غم کتنے کئے جمع تو دیوان کیا

غزل ــ آدم چغتائی

کبھی نہ چین سے جینے دیا زمانے میں
تجھے سکوں تو ملا مجھے آزمانے میں

اسی لئے میں تمہاری نگہ سے بچتا ہوں
کہ درد اور فزوں ہوگا مُسکرانے میں

یہ کس مقام پہ لائی ہے زندگی مجھ کو
نہیں ہے ہوش مجھے اس نگار خانے میں

قفس اُداس ہے تنکے ہوا میں بکھرے ہیں
نہ جانے کیا ملا صیاد کو مٹانے میں

یہ حادثات زمانہ، یہ کش مکش آدمؔ
کبھی رُکے بھی ہیں گردش کے دن زمانے میں

غزل ــ جمشید مسرور، ناروے

دل ٹوٹ بھی جائے تو دُہائی نہیں دیتا
آنسو کبھی گرنے پہ سنائی نہیں دیتا

یہ ضعفِ بصارت ہے کہ ہے خون ہی بے رنگ
لگ جائے تو ہاتھوں پہ دکھائی نہیں دیتا

منظر کہ اے عکس میں ڈھلنے سے ہے انکار
آئینہ کہ منظر کو رہائی نہیں دیتا

دن رات جلاتا ہے رگ و ریشہ جاں کو
مہلت ہنرِ شعلہ نوائی نہیں دیتا

اک سبز سا انکار ہے ان سُرخ لبوں پر
اک سانپ ہے پھولوں میں دکھائی نہیں دیتا

یا دیتی نہیں سینہ زنی فرصتِ گریہ
یا رقص سرِ شام جدا ئی نہیں دیتا

ویرانی شب لوٹ کے دیکھی کبھی تونے
اُس شہر پہ اب چاند دکھائی نہیں دیتا

ہر شخص کو معلوم ہیں دانائی کی باتیں
پڑ جائے مصیبت تو سجھائی نہیں دیتا

سنتے ہیں مرے شعر کچھ ایسے کہ نہیں ہیں
دیتے ہیں اگر داد سنائی نہیں دیتا

پڑھتے ہیں مری پیاس مری گردِ سفر سے
دریا مرے دامن میں دکھا ئی نہیں دیتا

نغمہ جو اُبھرتا ہے سمندر کے جگر سے
ساحل پہ کھڑے ہوں تو سُنائی نہیں دیتا

میں ،سرزنش، ہرزہ سرائی نہیں کرتا
میں طعنہء انگشت نمائی نہیں دیتا

میں ردِّ مضامین حریفاں نہیں کرتا
میں اُجرت تحمید سرا ئی نہیں دیتا

میں نے تو نہیں باندھ دیا اُن کی زباں کو
گر عجزِ سخن ان کو رسائی نہیں دیتا

خورشید پہ الزام تراشی بھی غضب ہے
اندھوں کو تو دن میں بھی دکھائی نہیں دیتا

جمشیدؔ پہ ثابت ہوئی پھر ہمتِ یاراں
یہ شخص کبھی اپنی صفائی نہیں دیتا

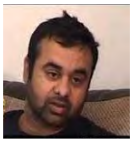

نظم ــ نورالجمیل نجمی

اے ہمسفرو !خاموش رہو! اور کچھ نہ کہو
جو کافی ہے ہم سب کے لئے، اس سچے نام کا ورد کرو
اے ہمسفرو خاموش رہو اور کچھ نہ کہو
اے بادِ مخالف کے جھونکے، یہ کرب و بلا
یہ اندیشے، یہ سیل رواں، یہ نشتر زبانوں کے
یہ جھکڑ گرم ہواؤں کے ،یہ کیا ہم کو جھلسائیں گے
جو آگ دَبی ہے سینوں میں
اُس کو کچھ اور بڑھائیں گے
وحشت کے پجاری لوگوں نے
بس ایک ہی کاروبار کیا
مذہب کے نام پہ خون کیا، اور نفرت کا بیوپار کیا
یہ اہلِ ستم ،اہلِ کماں ، بے سایہ تھے بے سایہ ہیں
اور ان کے جھوٹے سب دعوے بے مایہ تھے
بے مایہ ہیں ،جو خون بہا وہ اپنا تھا
جو خون بہا وہ اَمر رہے،
اس خون کے ہر اک قطرے کا
ہم سب کی دُعا میں اثر رہے
ہم گریہ کناں کچھ ایسے رہیں، آنسو کا رنگ نرالا ہو
ہم سسکیں ایسے سوز کے ساتھ، کہ منظر دیکھنے والا ہو
اَب لہو کی گرمی ایسی ہو، ظالم کا ہاتھ جلا ڈالے
اب اشک میں طاقت اتنی ہو ظالم کا ہاتھ جلا ڈالے
اب اشک میں گرمی ایسی ہو ،کہ عرش کا تخت ہلا ڈالے
پھر آئے یار ہمارا، جو جبار بھی ہے ، غفار بھی ہے
جو ہاتھ ہمارے سر پہ ہے ، وہ ہر دم زندہ ہاتھ رہے
ظالم کو آخری لمحوں تک اس ہاتھ کی ہیبت یاد رہے
یہ دھوپ کے راہی کیا جانیں کہ چھاؤں کی نعمت کیسی ہے
بے مُرشد پگلے کیا جانیں اک ہاتھ پہ بیعت کیسی ہے
ہم تن کے جئے ،بن ٹھن کے جئے ، اک برس جئے
سو سال جئے، ہم مرے بھی گر تو مر نہ سکے
ہم ہر اک غم کمال کئے ،اخلاص و وفا کی راہوں میں
مہدی کے دلارے زندہ ہیں ،یہ ظلم کا ریلا بہنے دو
اخلاق و وفا کی راہوں میں ان سسکیوں میں
آہوں میں، جان سے پیارے زندہ ہیں
حالات کے چرکے سہ ڈالو، تب سب کچھ اُس نور سے کہہ ڈالو
جب نور کرم فرمائے گا ،تب سب اچھا ہو جائے گا
ہم سچے تھے، ہم سچے ہیں، ان سب سے بڑھ کر اچھے ہیں

غزل ــ محمد افضل ٹورانٹو کنیڈا

ردائیں ہیں حفاظت چھِن گئی ہے
ہے سورج پر تمازت چھِن گئی ہے
میری دیوار کا سایہ نہیں ہے
ہوئی تھی جو عنایت چھِن گئی ہے
ہے سارے شہر میں کیوں ہُو کا عالم
سنا ہے اس سے سطوت چھِن گئی ہے
میرا ہمسایہ بھوکا سوگیا ہے
میرے دل سے ندامت چھِن گئی ہے
میرے اسلاف کو جو دی گئی تھی
کہوں کس سے فراست چھِن گئی ہے
یہاں دل ہوگئے ہیں بانجھ افضلؔ
یہاں لوگوں سے اُلفت چھِن گئی ہے

غزل ــ اقبال مجیدی

طلوع صبح کی نشانیاں ہم ہیں
گزشتہ عہد کی سچی کہانیاں ہم ہیں
ہمیں نہ چھیڑ کہ ہم ہیں چراغِ تیرہ شبی
سراپا نو کی وہ ضو فشانیاں ہم ہیں
ذرا سا غور کریں حق نواؤں پر
کہ جن کی فکر کی جرات بیانیاں ہم ہیں
اگرچہ آج بھی احباب کچھ گریزاں ہیں
نہیں ہے خوف خدا کی نشانیاں ہم ہیں
خموشی اب تو ہے اقبال گفتگو اپنی
سمیٹے اپنی خموشی میں بے زبانیاں ہم ہیں

غزل ــ مبارک صدیقی

دل کسی کے پیار میں سرشار تھا ایسا کہ بس
اور پھر وہ بھی گل و گلزار تھا ایسا کہ بس

ایک تو دل ڈھونڈتا رہتا تھا کوئی غم شناس
اور وہ پھر وہ شخص بھی غمخوار تھا ایسا کہ بس

ہم کہ آئے تھے خزاں کے شہر سے اُجڑے ہوئے
وہ کہ اک شاداب برگ و بار تھا ایسا کہ بس

ایک تو اس قافلے میں لوگ تھے ماہتاب سے
دوسرے وہ قافلہ سالار تھا ایسا کہ بس

آئینے رکھیں ہوں جیسے چاندنی کے شہر میں
سامنے اپنے وہ حسنِ یار تھا ایسا کہ بس

پوچھتے ہو دوست کیا احوال وصلِ یار کا
ایک دریا دشت کے اُس پار تھا ایسا کہ بس

غزل ــ جواد عالم

یار کو چھوڑ کے جو یار گیا
رُک گئی سانس ،جسم ہار گیا

دوستوں نے عجب فریب دیئے
دُشمنوں کا بھی اعتبار کیا

کل بھی گزرا تھا سانحہ کوئی
آج بھی کوئی سوئے دار گیا

تھک گیا جب تو اپنے کاندھوں سے
وہ عجب تھا جو سر اُتار گیا

دل نے کل مجھ سے پھر بغاوت کی
حسبِ معمول پھر میں ہار گیا

اُس کے پیاروں کا واسطہ لے کر
اُس کی چوکھٹ پر بار بار گیا

مبارک مونگیری (اے آر راجپوت)

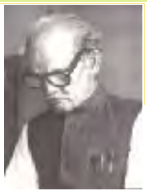

آپ بھارت کے شہر مونگیر میں ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے اور ۶/ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو کراچی پاکستان میں وفات پائی ۔آپ ایک عظیم شاعر تھے ۔آپ کی زندگی میں ہی آپ کے کلام کا پہلا مجموعہ کلام ''صحرا سے گلستاں تک'' ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔انکے انتقال کے بعد دوسرا مجموعہ کلام ''ذکرِ ارفع'' جو کہ نعتیہ کلام پر مشتمل ہے شائع ہوا۔پھر تیسرا مجموعہ ''بوجھو تو جانیں'' ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔اس کے بعد چوتھا مجموعہ ''سیلِ خون'' ۲۰۰۰ء میں اور آخری ''ختم ہوا افسانہ بھی'' ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔مبارک مونگیری کو حال ہی میں ایک اور اعزاز ملا ہے کہ جب پی ایچ ڈی کا مقالہ ''مبارک مونگیری حیات و شاعری'' شائع ہوا۔یہ ڈگری ڈاکٹر شرف الدین کو بھارت کی متھلا یونیورسٹی نے تفویض کی ۔اہلِ قلم کی آراء مبارک مونگیری کے بارے میں۔ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے اُن کی نعتیہ شاعری پر دادِ تحسین دیتے ہوئے لکھا ہے ۔'' مبارک مونگیری نے عربی میں سعدی کے چار مصرعوں'' بلغ العلے بکمالہ'' سے متعلق جن کے قافیہ اُردو میں ناپید ہیں۔کمالِ زبان دانی کی معرفت عربی کے قوانین کے مماثل اُردو میں جس طرح ایجاد کیا ہے وہ اُن کے خلاق شاعر ہونے کا ثبوت ہے۔''اس ضمن میں مبارک مونگیری کی طویل تضمین کا پہلا بند پیش ہے:

کوئی کر سکے تیری مدح کیا کہ نہ تاب ہی نہ مجال ہی
نہ رسا ہو ذہنِ بشر کبھی نہ گذر کناں ہو خیال ہی
تیرے مرتبے سے ہے آشنا وہی ربّ عزّ جلال ہی
کہ ہے رفعنالك ذکر پہ گواہ صدقِ مقال ہی
بلغ العلے بکمالہ کشف الدجے بجمالہِ
حسنت جمیع و خصالہِ صلو علیہ و آ لہِ

ڈاکٹر جمیل جالبی کہتے ہیں۔مبارک مونگیری غزل اور نظم پر یکساں قدرت رکھتے تھے ۔لیکن غزل میں خاصکر اُن کے ہاں ایک ایسا لہجہ ملتا ہے جو اُن کے اشعار کو دل آویز اور پُر اثر بنا دیتا ہے ملاحظہ ہو:۔

گمنام آدمی کا دنیا میں کارنامہ
منسوب ہو رہے گا مشہور آدمی سے

رئیس امروہوی اور مبارک مونگیری ۱۹۱۴ء میں بھارت میں پیدا ہوئے ہیں تعلق ہوا ،قربت بڑھتی رہی، پاکستان ہجرت کے ساتھ یہ دوستی اور مضبوط رہی، دونوں کا انتقال ایک ہفتہ کے وقفہ سے ۱۹۸۸ء میں ہوا۔یوں اگر دونوں کو ہمعصر کہا جائے تو غلط نہ ہوگا رئیس امروہوی کہتے ہیں کہ غزل کا لطف یہ ہے کہ اثر انداز بھی ہو اور اثر اندوز بھی یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک شاعر کے احساسات اپنے نہ ہوں اور اس کی روح

کی گہرائیوں سے نہ اُبھرے ہوں۔روایتی غزلیں تو کہی جاتی ہیں اور کہی بھی جاتی رہیں گی مگر ان کی حیثیت کاغذ کے پھولوں سے زیادہ نہیں،خوشنما مگر بے رنگ۔مبارک مونگیری کے کلام میں اُن کی رُوح جھلکتی ہے جس نے شاعر کے لہجے میں تشخص پیدا کر دیا ہے ملاحظہ ہو:

آتا ہے دھیان ان کا یوں دشتِ زندگی میں
ظلمت میں شب کی جیسے ہو جلوہء سحر سا

اسی غزل کا کیا یادگار شعر ہے:

اک آہ میں ڈھلی ہے روداد زندگانی
عمرِ طویل کا ہے افسانہ مختصر سا

یہاں مختصر کا جواب نہیں۔غزل کا کمال یہ ہے کہ ہر شعر اپنی جگہ مکمل ہوتا ہے اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے کسی لاحقے یا سابقے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ان کا ایک شعر ضرب المثل بن گیا ہے:۔دامانِ کرم راہ کے اشجار بنے ہیں ہے دھوپ اگر تیز تو سائے بھی گھنے ہیں یہ کیا عجب محاورہ ''لوہے کے چنے'' کیسی برجستگی اور پُرکاری کے ساتھ نظم کیا ہے۔ملاحظہ ہو:۔

جو سانس بھی آتی ہے گزرتی ہے قیامت
دن زیست کے یارب ہیں کہ لوہے کے چنے ہیں

رئیس امروہوی مزید کہتے ہیں کہ اُن کی غزل روایتی نہیں جن کے مضامین اور موضوعات لگے بندھے ہوتے ہیں۔ایک حقیقت پسند شاعر ہونے کے ناطے مبارک مونگیری کی نظر حقائقِ زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور یہ بات بڑی مستحسن ہے۔ممتاز نقاد احمد ہمدانی کہتے ہیں مبارک مونگیری پختہ مشق ہی نہیں بلکہ پختہ کار شاعر بھی ہیں۔ان کا کلام پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ واقعی ان کی زندگی کا ماحصل ہے۔ملاحظہ ہو:

اب سوچتا ہوں عمرِ دوروزہ سے کیا ملا
دنیا کو کیا دیا مجھے دنیا سے کیا ملا

ایک اور ممتاز نقاد ڈاکٹر محمد علی صدیقی کہتے ہیں۔مبارک مونگیری کو زبان اور بیان پر قابلِ قدر فنّی استعداد حاصل تھی،نظم ہو یا غزل،یا قطعہ نگاری،وہ ہر صنف میں استادی کا درجہ رکھتے تھے۔اصحاب ذوق کے علم کے لئے مبارک مونگیری کی شاعری پر احمد ندیم قاسمی،وزیر آغا،پروفیسر منظور حسین شورؔ،محشر بدایونی،پروفیسر نظیر صدیقی، ڈاکٹر حنیف فوقؔ،افسر ماہ پوری،ڈاکٹر انور سدید،ڈاکٹر انور فرّخی،شان الحق حقّی،شہزاد منظر،ادیب سہیل،مسعود ارمان،مشفق خواجہ،علی حیدر ملک،پروفیسر آفاق صدیقی، سلیم کوثر،پروفیسر جاذب قریشی،پروفیسر مجنوں گورکھپوری،اور دیگر اہل قلم کی آراء ان کے کام اور علم کو سراہ رہی ہیں۔

○○

غزل ــ صہبا اختر

آجا، اندھیری راتیں تنہا بِتا چکا ہوں میں
شمعیں جہاں نہ جلتیں آنکھیں جلا چکا ہوں میں
خورشیدِ شامِ رفتہ لوٹے، تو اُس سے پوچھوں
میں زندگی کی کتنی صبحیں گنوا چکا ہوں
اُمید بیم شب نے یہ بھی بھلادیا ہے
کتنے دیئے جلائے، کتنے بجھا چکا ہوں
میں بازگشتِ دل ہوں، پیہم شکستِ دل ہوں
وہ آزما رہا ہوں، جو آزما چکا ہوں
یہ شب بجھی بجھی ہے، شاید کہ آخری ہے
اے صبح درد، تیرے نزدیک آچکا ہوں
مجھ کو فریب مت دو،اے موسمِ بہاراں
ایسے کئی شگوفے میں بھی کھلا چکا ہوں
سورج طلوع ہوں یا سورج غروب صہباؔ
شبہائے غم کے پردے خود پر گرا چکا ہوں
ہوتی ہے کبھی سینہء بریاں کی فغاں

غزل ــ عبدالمنان ناہیدؔ

تحریر ہے بند تو تقریر و بیاں بند
اب کوئی کرے نالہِ آشفتہ سراں بند
رُکتی ہیں کبھی عرش کو اُٹھتی ہوئی آہیں
ہوتی ہے کبھی سینہء بریاں کی فغاں بند
یارَبّ مجھے دی طاقتِ پرواز وہ تُو نے
کیا مُجھ پہ کرے گا کوئی اطراف جہاں بند
تُو حشر کا مال کہے، مگر حشر سے پہلے
مُلّا نے کیا مُجھ پر درِ باغِ جناں بند
ہو اُس کی فضاؤں سے فرشتوں کا گزر کیوں
جس ملک سے ہو جائے موذن کی اذاں بند
اُس عہد میں ناہیدؔ ہوئی میری زباں بند
جائز ہے کہ پتھر برستے رہیں تُم پر
لیکن ہے رہِ حفظ و اماں شیشہ گراں بند

دلچسپ اور علمی وطبی نسخے

بڑھاپے میں صحت مند رہنے کے چند سنہری اصول

(رجل خوشاب)

طبی ماہرین نے صحت مند طرز زندگی کے لئے پانچ سنہری اصولوں کی نشاندہی کی ہے۔ جو کہ ضعیف العمری میں خود کو چست اور متحرک رکھنے کی کنجی ہے۔ جو اصول بتائے ہیں ان میں زیادہ کھانا کھانے سے پرہیز، انسان زائد الوزن ہونے سے بچے، صحت مند خوراک کھانے، پابندی سے ورزش کرنا، اور تجربہ شدہ یا آزمودہ پلز کا استعمال شامل ہے۔ سویڈن میں لنکوپنگ یونیورسٹی کے سائنسدانوں کو یقین ہے کہ ذہنی صحت، نفسیاتی، وجسمانی صحت کو بڑھاپے میں بھی برقرار رکھنے کے لئے لائف سٹائل فیکٹرز، انتہائی اہمیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے نشاندہی کی کہ ۲۰۵۰ء تک دنیا بھر میں ۱۰۰ سال سے زائد عمر کے افراد کی تعداد ۲۔۳ ملین تک پہنچ جائے گی۔ جو کہ ۲۰۰۰ء میں صد سالہ عمر والے افراد سے ۱۸ گنا زائد ہوگی۔ سٹڈی قائدین میں سے ایک پروفیسر میٹس ہیمر نے متنبہ کیا ہے۔ کہ ڈنر ٹیبل دیر سے چھوڑنے والے افراد بیماریوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ بھوک سے کم کھانے کی پالیسی کے ذریعے جسم میں کیلوریز کی تعداد کو محدود کرنا طویل عمری میں ممکنہ طور پر فائدہ مند ہے۔ انہوں نے بتایا کہ خواتین کے لئے یومیہ ۱۵۰۰ کیلوریز جبکہ مرد حضرات کے لئے ۱۸۰۰ کیلوریز کافی ہیں۔ جبکہ جسمانی طور پر مناسب حد تک متحرک ہونا اور اپنی خوراک میں ضروری معدنیات، وٹامنز اور پروٹینز شامل کرنا ضروری ہے۔ ماہرین نے واضح کیا ہے کہ اضافی وزن اور موٹاپا ایک خطرہ ہیں۔ پیٹ پر جمنے والی چربی اعضا کے درمیان بچھ جاتی ہے۔ (بحوالہ روزنامہ جنگ لندن ۳۰ دسمبر ۲۰۱۳ء)

رات دیر تک جاگنے کا نقصان

آج کے تیز رفتار دور میں نوجوانوں کا دیر تک جاگنا معمول بنتا جارہا ہے مگر یہ

عادت اُن کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔ چین میں ایک ہونے والی تحقیق کے مطابق نیند میں کمی کے شکار نوجوانوں میں یہ بات فالج کا خطرہ بن سکتی ہے۔ ۱۸ سے ۳۴ سال کی عمر کے ایسے افراد میں فالج کا خطرہ ۸ گنا زائد بڑھ گیا ہے۔

کمپیوٹر ٹی وی کا زیادہ استعمال نقصان دہ

نوجوانوں کا زیادہ دیر تک کمپیوٹر یا ٹی وی کے آگے بیٹھنا ان کی ہڈیوں کو کمزور بنا

سکتا ہے۔ یہ بات یونیورسٹی آف ناروے کی ایک تحقیق میں سامنے آئی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ بچپن سے ۱۹ سال تک کی عمر تک بچوں کی ہڈیاں بڑھ رہی ہوتی ہیں لیکن اگر اس عمر کے دوران وہ زیادہ دیر تک کمپیوٹر ٹی یا وی کے سامنے بیٹھنے کی عادت بنالیں۔ تو یہ چیز ہڈیوں میں فریکچر یا سختی کا باعث بن سکتی ہے۔

مرغن غذا کی وجہ سے سُستی

امریکی ماہرینِ طِب کا کہنا ہے کہ مرغن غذا کھانے والے دن بھر سستی کا شکار

رہتے ہیں۔ میڈیکل یونیورسٹی میں صحت منداور مناسب وزن رکھنے والے افراد کی غذائی عادات کے تجزیئے کے دوران ماہرین نے نوٹ کیا کہ زیادہ چکنائی والی اور مرغن غذائیں استعمال کرنے والے افراد دن بھر سستی کا شکار رہتے ہیں۔ جبکہ زیادہ کاربو ہائیڈرنٹس یا نشاستے سے بھرپور خوراک کھانے والے افراد دن بھر چست و چاک و چوبند رہتے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ کسی بھی شخص کی سستی یا چستی کا انحصار اس کی خوراک پر ہوتا ہے۔ (روزنامہ دنیا ۸۔اپریل ۲۰۱۴)

بچوں کو سبزیوں کی طرف مائل کرنے کا نسخہ

نیویارک میں ہونے والی ایک تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ سبزیوں کو مختلف قسم کی چٹنیوں اور مربوں سمیت مزیدار اشیاء کے گاڑھے محلول میں ڈبو کر کھانے سے وہ لذیذ لگنے لگتی ہیں اور بچے بہت شوق سے سبزیاں کھانا شروع کردیتے ہیں۔ تحقیق کے مطابق ۹۰ فیصد والدین کا کہنا ہے کہ بچوں کی من پسند اشیاء کے ساتھ سبزیاں ملا کر پکانے سے بھی ان کا ذائقہ مزیدار ہوتا ہے۔ (روزنامہ دنیا ۸۔اپریل ۲۰۱۴)

آڑو کے فائدے

نیویارک کے طبی ماہرین کے مطابق آڑو ایک نہایت صحت بخش پھل ہے۔ اور اس کا استعمال دل کے دورے کو کم کردیتا ہے۔ اس کے استعمال سے خون میں چکنائی کی سطح کم جبکہ مدافعاتی نظام محفوظ ہوتا ہے اور آڑو فولاد سے بھرپور ہونے کے باعث جسم میں خون کی کمی کو دور کرتا ہے۔ (نوائے وقت ۱۱ اپریل ۲۰۱۴ء)

پودینے کا تیل مختلف امراض میں سودمند

امریکی ماہرین نے کہا ہے کہ پودینے کا تیل مختلف دردوں سے نجات، قبض اور ڈائریا، نظامِ ہضم کے لئے مفید ہے۔ یہ جسم میں آنتوں اور دیگر عضلات کو آرام پہنچاتا ہے۔ قبض میں پودینے کا قہوہ یا پانی بھی فائدہ مند ہے۔ پودینے کا تیل مختلف جلدی امراض مثلاً کیڑے کے کاٹنے سے ہونے والی الرجی، ایگزیما، اور چہرے پر سوزش، اور سُرخ دانوں کو دور کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ منہ کے چھالے ختم کرنے میں بھی معاون ثابت ہوتا ہے۔

(روزنامہ ایکسپریس ۱۳ مارچ ۲۰۱۴ء)

امریکی ماہرین نے زمین کے حجم کے برابر سیارہ دریافت کرلیا

امریکی ماہرین نے زمین سے ۵۰۰ نوری سال کے فاصلے پر زمین کے حجم کے برابر سیارہ دریافت کیا ہے۔ جس کی سطح پر پانی کی موجودگی کا امکان ہونے کے باعث یہاں زندگی ممکن ہوسکتی ہے۔ خلائی تحقیق کے امریکی ادارے ناسا اور ایس ای ٹی آئی انسٹیٹیوٹ کے ماہرین کی مشترکہ تحقیق کے مطابق نئے دریافت ہونے والے سیارے کو کیپلر ۱۸۶ ایف کا نام دیا گیا ہے۔ اور یہ کیپلر ۱۸۶ ایف نامی ستارے کے گرد گردش کرنے میں پانچ سیاروں میں سب سے باہر والے مدار میں محوِ گردش ہے۔ سائینسدانوں کے مطابق اس سیارے کا قطر زمین کے قطر سے دس فیصد زیادہ ہے اور یہ اپنے سورج کے گرد ایک چکر ۱۳۰ دن میں مکمل کرتا ہے۔ سائینسدان اب تک کائنات میں زمین سے ملتے جلتے ۱۸۰۰ سو سیارے دریافت کر چکے ہیں۔ تاہم ان میں سے اکثر کا حجم زمین سے زیادہ ہے اور ان میں سے ۲۰ اپنے ستاروں کے گرد اتنے فاصلے پر محوِ گردش ہیں جہاں زندگی ممکن ہے یہ ایسا فاصلہ ہے جہاں پانی، مائع حالت میں اپنا وجود قائم رکھ سکتا ہے۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ کائنات میں ایسے مزید سیاروں کی دریافت کا قوی امکان ہے۔ (روزنامہ جنگ لندن ۱۹۔اپریل ۲۰۱۴)

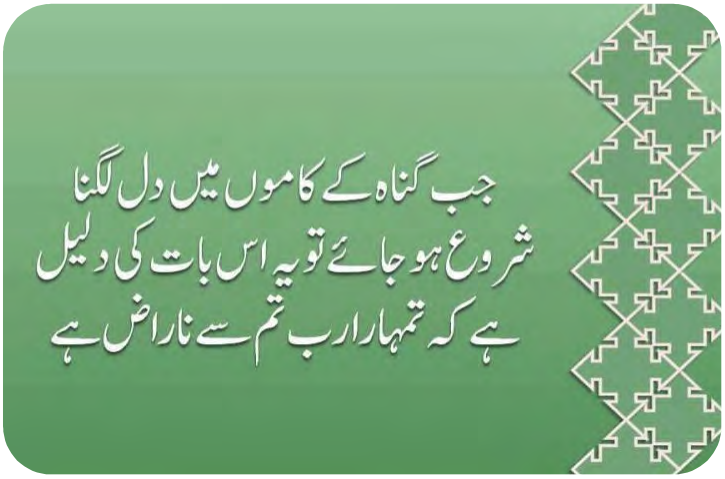

اُردو زبان کا ارتقاء

رانا عبدالرزاق خان

۱۷۰۷ء میں عالمگیر کی وفات ہوئی تو معاشرے میں انتشار اور بدامنی پھیل چکی تھی۔ مغلوں کی سرکاری زبان فارسی تھی۔ اگرچہ اٹھارہویں صدی عیسوی میں برّصغیر کے وسیع علاقوں میں اُردو زبان بولی جاتی تھی۔ اس کے باوجود فارسی علمی و ادبی حلقوں میں مقبول تھی۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ فارسی کا زوال بھی شروع ہوگیا۔ اور اردو کو بڑی تیزی سے پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ محمد شاہ کے عہد میں یا اس سے کچھ پہلے دہلی کی محافل میں اُردو کی شاعری کی آواز سنائی دینے لگی۔ اس سے پہلے اسے ہنسی مذاق سمجھا جاتا تھا۔ اُردو زبان میں اصلاح کی کاوشیں شروع ہوئیں۔ مظہر جان جاناں، اور خان آرزو نے اصلاحِ زبان میں نمایاں حصہ لیا۔ ولی دکنی کے دیوان کے دہلی پہنچنے کی وجہ سے اُردو شاعری کے رواج نے دہلی میں زور پکڑا۔ اسی دور میں ابہام گوئی کا دور شروع ہوا۔ ایک طرح کا تکلف اُردو شاعری میں شروع ہوا۔ اس دور کے شعراء میں حاتم، آبرو، مضمون شاکر، ناجی یگرنگ تھے۔ حاتم تو اس دور کے اُستاد تھے۔ وہ بھی اصلاحِ زبان کے علمبرداروں میں سے تھے۔ اُنہوں نے اپنے کلام سے بیزار ہوکر اک نیا دیوان مرتّب کیا جس کا نام دیوان زادہ رکھا۔ اصلاحِ زبان تحریک سے آئندہ آنے والے شعراء بہت متاثر ہوئے۔ ان میں میر تقی میرؔ، مرزا رفیع سوداؔ، خواجہ میر درد، میر حسن اور ان کے معاصرین، ۔ اُنکی شاعری کے ساتھ ساتھ شمالی ہند میں اُردو نثر کا بھی ایک نیا دور شروع ہوا۔ اس دور کی مشہور تصانیف بھی شامل ہیں۔ جیسے فضلی کی وہ مجلس ہے۔ یہ کتاب فارسی کی مشہور کتاب روزۃ الشہدا کا ترجمہ ہے۔ کربل کتھا شمالی ہند میں اُردو نثر کا پہلا نقش ہے۔ معاشرتی بدحالی کی وجہ سے دلی کے شعراء نے لکھنؤ کی طرف ہجرت کرنا شروع کر دی۔ ان میں میر، سودا، مصحفی، انشاء، جرات، رنگین اور ان کے ہمعصر شامل ہیں۔ خواجہ میر درد دہلی میں رہے۔ اسی زمانے میں مرزا غالب اور ان کے معاصرین نے اُردو شاعری میں نئی روح پھونکی۔ غالب نے انفرادیت قائم کی، وہ فارسی اور اُردو کے قادرالکلام شاعر تھے۔ وہ عام لوگوں کی روش کو اختیار کرنے کو اپنے لئے باعث ننگ و عار سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے شاعری اور نثر میں نیا راستہ نکالا۔ نثر کی تاریخ میں اضافہ کیا۔ ان کی شاعری میں جدّت ہے ذوق اور مومن بھی غالب کے معاصر تھے۔ انہوں نے بھی اُردو شاعری میں نمایاں حصہ لیا۔ بعض سیاسی وجوہات کی بنا پر نوابانِ اودھ کی لکھنؤ پر حکومت قائم ہوئی۔ دولت کی فراوانی کی وجہ سے جن رُجحانات نے جنم لیا وہ تھے نشاطیہ رُجحانات۔ جب شعراء نے لکھنؤ کو پناہ گاہ بنایا تو یہاں کا ماحول خاصا مختلف تھا۔ اُردو کو پنپنے کا موقع ملا۔ دلّی کے شعراء کی وجہ سے زبان

میں تراش خراش شروع ہوئی۔عربی فارسی عناصر کو زیادہ سے زیادہ اُردو ادب میں کھپایا گیا۔اس سلسلے میں دو کاوشیں شروع ہوئیں۔ایک تو انشاء میں دریائے لطافت لکھ کر اُردو قواعد کے بنیادی اصول بتائے۔دوسرے شیخ امام بخش، نے ہندی بھاشا کے اثر سے اُردو کو پاک کرنے کی کوشش کی۔ان کے شاگردوں نے بھی شدّت سے اس تحریک کو چلایا۔اس سے زبان کو کچھ فوائد ہوئے اور نقصانات بھی۔زبان ناتراشیدہ الفاظ سے پاک ہوگئی۔اظہارِ بیان کی وہ صلاحیتیں پیدا ہوئیں جو ادبی مذاق رکھنے والوں کی تشفی اور تسکین کا باعث ہوئیں۔میر، سودا کی زبان جو کہ شستہ اور سلجھی ہوئی تھی۔اس تحریک کا نتیجہ تھی۔غالب، ذوق اور مومن نے بھی اس روایت کو اپنایا۔متروکات کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ زبان میں رہتے تو فائدہ پہنچتا۔الفاظ کا دائرہ وسیع ہوتا۔ادبی یا شعری مقاصد کے نقطہ نظر ہی سے نہیں بلکہ علمی مقاصد کے لئے ایسے الفاظ کی ضرورت تھی۔ناصف نے اُردو کے نام پر بھی زور دیا اگرچہ یہ نام پہلے ہی استعمال ہوتا تھا مگر انہوں نے ہندی، ہندوی، ہندوستانی، اُردوئے معلّٰی کے نام کاٹ کر اُردو نام رکھا۔انگریزوں نے اپنے نظام حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے اس زبان کو اپنایا۔انہوں نے ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ قائم کیا۔فائدہ کے علاوہ انگریزوں نے اس زبان کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔انہوں نے اُردو، ہندی کے جھگڑے کو پیدا کیا۔زبان کے مسئلے کو سیاست کا مسئلہ بنایا۔اگر مولوی عبدالحق اس مسئلے کی اہمیت کو محسوس نہ کرتے تو اُردو کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔فورٹ ولیم کالج میں باقاعدہ شعبہء اُردو، کتب کی تالیف وتصنیف اور ترجمہ کا قیام کیا گیا۔سارے ملک سے ہندو اور مسلمان مصنفین کو جمع کیا گیا۔ان میں میر امن، حیدر بخش حیدری، شیر علی، افسوس بہادر علی حسینی، کاظم علی جوان، نہال چند لاہوری، لالہ لال جی، نبنی نرائن، مظہر علی، مرزا علی لطف وغیرہ تھے۔اس کالج نے اُردو زبان میں روزمرّہ محاورہ زبان کی صفائی اور وضاحت سے لکھنا سکھایا۔نستعلیق ٹائپ کا مطبع قائم ہوا۔جس سے اُردو ادب میں بے پناہ اضافہ ہوا۔اس دور کی دوسری اہم تحریک دہلی کالج کی ہے۔یہ پہلی درس گاہ تھی جہاں مشرق ومغرب کا سنگم قائم ہوا۔اس کالج کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ ذریعہ تعلیم اُردو تھا۔تمام مغربی علوم اُردو کے ذریعہ پڑھائے جاتے تھے۔دہلی کالج نے اُردو کو علمی زبان بنانے میں عظیم الشان خدمت انجام دی۔۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے اس کالج کو نقصان پہنچا۔۱۸۶۲ء میں سرسید نے سائنٹیفک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔اس کی غرض وغایت یہ تھی کہ انگریزی کی علمی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کروا کے مغربی لٹریچر اور علوم سے اہل وطن کو روشناس کروایا جائے۔اس سوسائٹی نے تقریباً ۴۰ علمی اور تاریخی کتب انگریزی سے اُردو میں ترجمے کروائیں۔دہلی کالج کے بعد یہ دوسرا ارادہ تھا کہ جس نے اُردو میں علوم جدیدہ کو منتقل کرنے اور اسے علمی زبان بنانے کی کوشش کی۔تہذیب الاخلاق اور انسٹیٹیوٹ گزٹ نے بھی بہت کام کیا۔۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد دلی کی بجائے لاہور علمی مرکز بنا۔تو ۱۸۵۶ء میں ایک انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب قائم ہوئی۔جو بعد میں انجمن پنجاب کے نام سے منسوب ہوئی۔بہت سی انگریزی کتب کے تراجم کئے گئے۔چند ایک کتب تالیف بھی ہوئیں۔اورینٹیل کالج لاہور کا اجراء ہوا۔جس سے اُردو ادب ترقی کے زینے طے کرنے لگا۔سرسیّد احمد خاں نے بہت سے قومی کاموں کے علاوہ ایک بہت بڑا احسان اُردو پر یہ کیا کہ زبان میں سادگی اور سلاست پیدا کی۔سنجیدہ مضامین لکھے۔جدید علوم کے تراجم کروائے۔سرسیّد نے ادب کو زندگی کا ترجمان بنایا۔اُردو ادب میں سیدہ سادہ اسلوب اپنایا۔بہت سی کتب تصنیف کیں۔اُردو نثر نگاری میں حقیقت پسند اور واقع نگاری کی بنیاد ڈالی۔سرسیّد کو جدید اُردو نثر کا بانی کہا جاتا ہے۔آزاد، نذیر احمد، حالی، شبلی، سب سرسیّد سے متاثر تھے۔آزاد نے جدید اُردو شاعری کے آغاز میں نظمیں لکھیں۔نثر میں بے شمار کتب لکھیں۔آبِ حیات لکھ کر اُردو میں تذکرہ نگاری کا باقاعدہ آغاز کیا۔نذیر احمد نے ناول نگاری کر کے اُردو زبان وادب میں اضافہ کیا۔بہت سی کتب اور ناول لکھے۔اُردو کے پہلے ناول نگار کی حیثیت سے ان کا نام ہمیشہ قابل ذکر رہے گا۔مولانا الطاف حسین حالی، جدید اُردو شاعری کے علمبرداروں میں سے ہیں۔آپ نے سلیس اور سادہ اُردو نثر لکھ کر سرسیّد کی پیروی کی۔بہت سی سوانح عمریاں لکھ کر اس صنف کا اُردو ادب میں اضافہ کیا آپ اور بھی کئی کتب کے مصنف ہیں۔مقدمہ شعروشاعری لکھ کر اُردو زبان میں تنقید نگاری کا آغاز کیا۔مسدس لکھ کر اُردو ادب میں قومی شاعری کا بھی اضافہ کیا۔شبلی نے بہت سی کتب لکھ کر اُردو ادب میں بیش بہا اضافے کئے۔انہوں نے بھی سوانح نگاری میں قابلِ قدر اضافے کئے۔سفرنامے لکھے۔تاریخ وتنقید اور ادبی و علمی کتب تصنیف کیں۔ان کی طرزِ تحریر میں ہر طرح کی خوبیاں ہیں۔اعلیٰ درجے کی انشاء پردازی اور عالمانہ سنجیدگی نمایاں ہے۔سرسید تحریک نے اُردو ادب کو نئے افکار دیئے۔تاریخ، سوانح عمری، مذہب، فلسفہ، ادبی تنقید، قصہ نگاری، علمی مضمون نگاری، صحافتی مضمون نگاری وغیرہ۔سرسیّد تحریک جدید کے ردّعمل پر اودھ پنچ کی تحریک جاری ہوئی۔اس سے بھی اُردو ادب کو تقویت پہنچی۔سرسیّد نے ادب میں متانت اور سنجیدگی پیدا کی۔تو اودھ پنچ نے اس کمی کو پورا کر دیا۔جلال لکھنوی مے علم العروس اور تحقیق الفاظ میں خصوصی کام کیا۔ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے اُردو کو ترقی دینے کے لئے لائحہ عمل بھی پیش کیا۔خطبات اور تقاریر میں اُردو ادب اور زبان کی اہمیت پر زور دیا۔انجمن ترقی اُردو رسالہ، اُردو دارالمصنفین اعظم گڑھ نے بھی اُردو ادب کی خدمت کی۔پنجاب نمبر اور رسالے جاری ہوئے۔اُردو اخبار ورسائل چھپنے لگے۔سر شیخ عبدالقادر، مولوی ظفر علی خاں، میاں بشیر، حمید نظامی جیسے لوگوں نے صحافت میں نمایاں کام کیا۔سرسیّد اور حالی کی اصلاح تحریک کے بعد اُردو ادب میں رومانوی، تحریک کا آغاز ہوا۔جس میں سجاد حیدر یلدرم، مہدی آفادی، سجاد انصاری اور دوسرے فنکاروں نے حصہ

لیا۔رومانوی اثرات نے شاعری اور ادب کی بڑی خدمت کی۔رومانوی ادیبوں نے جمالیات اور فن کے تقاضوں پر زور دیا۔اُردو نظم میں وُسعت پیدا ہوئی۔رومانیت میں ادب کے رشتے جمالیات سے استوار کئے۔رومانوی ،تنقید نے ادب کو صرف سماجی انکار کا ذریعہ ہی نہیں سمجھا۔بلکہ جذبہ اور وجدان کو بھی ذریعہ بنایا۔۱۹۳۶ء میں انجمن ترقی پسند کا قیام عمل میں آیا۔ترقی پسندوں میں زیادہ تعداد اُن لوگوں کی تھی جو انگریزی درسگاہوں کے تعلیم یافتہ تھے۔انہوں نے زبان کے مزاج کو نظر انداز کر دیا۔ان کی تحریروں سے اُردو کی اشاعت تو ہوئی لیکن اس کی ترقی رُک گئی۔بھدی تراکیب سے زبان گراں بار کی اور ثقیل الفاظ ٹھونسے گئے۔اقبال نے غزل کو حقائق کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔اُردو ادب میں نئی روح پھونکی۔فارسی اور انگریزی کا اثر قبول کر کے اُردو زبان کے خزانے کو موتیوں سے بھر دیا۔اقبال کے ہم عصر شاعروں میں سے حسرت موہانی نے بھی فارسی سے اثر قبول کر کے اُردو میں اضافے کئے زبان میں نئے اسلوب بیان پیدا ہوئے۔شاعری میں ایک رُجحان سب سے زیادہ واضح شکل میں اختر شیرانی کے کلام میں ملتا ہے۔حفیظ پر مغرب کے رومانوی اثرات بہت نمایاں ہیں۔اُنہوں نے شاہنامے میں رومانیت کے رُجحان کو خوب پیش کیا ہے۔رومانوی اثرات نے شاعری اور ادب کی بہت خدمت کی ہے۔رومانوی ادیبوں نے جمالیات اور فن کے تقاضوں پر زور دیا ہے اُردو نظم میں وُسعت پیدا کی ہے۔رومانیت نے ادب کے رشتے جمالیات سے استوار کئے رومانوی تنقید ادب کو صرف سماجی افکار کا ذریعہ ہی نہیں سمجھا بلکہ جذبے اور وجدان کو سراہا گیا۔قیام پاکستان کے بعد مسلمانوں کی ریاست ہونے کی وجہ سے اُردو کو قومی زبان قرار دیا گیا۔سرسیّد اور بابائے اُردو مولوی عبدالحق صاحب کے خواب شرمندۂ تعبیر ہوئے۔اس زبان کی بہت قدردانی ہوئی۔شروع سے لاہور اُردو زبان کا مرکز رہا ہے۔اتفاق دیکھیئے اب بھی اُردو کا زیادہ تر کام لاہور ہی میں انجام پا رہا ہے۔سب سے اہم اور قابل ذکر ادارہ اورینٹیل کالج لاہور ہے۔جو کہ اُردو ادب کی خدمت میں مشغول ہے۔اس کے علاوہ اور بھی کئی ادارے ظہور میں آچکے ہیں۔ان میں قابل ذکر ادارہ تصنیف و تالیف،ترقی اُردو بورڈ، بزمِ فروغ اُردو وغیرہ ہیں۔

کراچی اور پشاور میں کئی اُردو کالج اور یونیورسٹیاں قائم ہو چکی ہیں۔مجلس ترقی ادب اور کئی مجالس قائم ہو چکی ہیں۔ان اداروں کی مساعی سے تمام علوم کے تراجم اُردو میں ہو رہے ہیں۔اور کوشش یہ جاری ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے مضامین بھی اُردو ہی میں پڑھائے جائیں۔انٹرمیڈیٹ تک اُردو لازمی کر دیا گیا ہے۔اُردو کو ۱۹۷۵ء سے دفتری زبان قرار دیا جا چکا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ پاکستان میں اُردو کا مستقبل بہت روشن اور تابناک ہے۔

○○

افسانہ

واپسی

طلعت سلیم

اس نے دس منٹ کے اندر اندر چوتھی مرتبہ گھڑی کو دیکھا،بارہ بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔ساجد نے کہا تھا کہ وہ بارہ بجے کے بعد اور ایک بجے سے پہلے کسی بھی وقت پہنچ جائے گا۔محتاط نظروں سے جائزہ لینے کے بعد وہ ایک کونے میں آ کھڑی ہوئی۔پلیٹ فارم پر ایک ہجوم رواں دواں تھا۔اس کا دل گھبرانے لگا۔ایک طرح سے اس کے حق میں اچھا تھا لڑکی گھر سے فرار ہو کر اپنوں سے چھُپ کر پلیٹ فارم پر اپنے خوابوں کے شہزادے کی راہ دیکھتی ہو تو جھمگھٹا ہی اس کے حق میں بہتر رہتا ہے۔وہ شاپنگ کے بہانے سے چُپکے سے ٹرین میں بیٹھی دھک دھک کرتے دل کے ساتھ پروگرام کے مطابق چوتھے اسٹیشن پر اُتر آئی تھی۔یہاں سے ایک بڑے بورڈ کے پاس انتظار کرنا تھا۔اسے برمنگھم کے اسٹیشن سے ایک ساتھ چلتے ہوئے دیکھے جانے کا اندیشہ تھا۔یہ انجانا اسٹیشن زیادہ موزوں تھا جو اس کے گھر اس کے شہر سے دور تھا۔اس کے والدین،بہن بھائی یہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ وہ اس وقت کہاں اور کس خیال میں کھڑی کیا کر رہی ہے۔وہ پہلے کبھی یہاں نہ آئی تھی۔سب کچھ بڑا اجنبی سا لگ رہا تھا اب بارہ بج کر دس منٹ ہو گئے تھے۔کہیں ساجد نے ارادہ نہ بدل دیا ہو۔اس کے دل میں وسوسہ اُٹھا اور وہ کچھ مضطرب سی ہو گئی۔نہیں نہیں وہ میرے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔اب ہم سال بھر کی تشنہ تشنہ ملاقاتوں کے بعد ہمیشہ کے لئے یک جا ہونے والے ہیں۔تو بھلا کا ہے کو ارادہ بدلے گا۔اس نے دل ہی دل میں خود کو تسلی دی۔مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے۔وہ پندرہ بیس منٹ پہلے ہی تو پہنچ گئی تھی۔مقررہ وقت سے آخر اُسے بھی تو ٹرین سے آنا ہے ممکن ہو لیٹ ہو،شاید اب آتا ہی ہو وہ ذرا سا آگے بڑھی،یکلخت ایک شور سا اُبھرا۔اس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا ایک عورت چیختی چلاتی پاگلوں کی طرح سب کے درمیان دوڑ رہی تھی۔''شیرن شیرن''ایک ہی سانس میں وہ رندھی ہوئی آواز میں پکارے جا رہی تھی۔کسی نے دیکھا ہے میری بچی کو؟ پھر پانچ سالہ بچی کو؟ سُرخ فراک پہنے تھی۔وہ ایک ایک سے پوچھ رہی تھی دو چار عورتیں آگے بڑھ کر اس کو دلاسہ دینے لگ گئیں۔''ذرا حوصلہ کرو بتاؤ تو سہی کسے ڈھونڈ رہی ہو ؟''''میری بچی میری شیرن کہاں ہے؟ کہاں گئی؟''اس کی مضطربانہ چیخوں سے عجب سی سراسیمگی پھیل گئی تھی۔بے پناہ شور اور افراتفری،اس کا جی چاہا وہ ذرا دور کھلی جگہ پر جا کھڑی ہو۔وہ تو پہلے ہی اپنے اندر کے شور سے پریشان ہو رہی تھی۔اور یہاں ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔اس کا دل گھبرانے لگا۔ایسے میں وہ عورت روتی دھوتی عین اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔اتنے بہت سے لوگوں میں سے کسی نے نہیں دیکھا میری بچی کو؟

وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔کیا پاگل پن ہے۔ایک بوڑھا درشتی سے بولا۔پولیس کو مطلع کر دیا گیا ہے یہیں کہیں ہوگی اُوں ہُوں ایسا بھی کیا واویلا؟ ماں ہے نا! تم کیا جانو! ماں کا دل کیا ہوتا ہے؟ اپنے بچے کا ہاتھ تھامتے ہوئے پاس ہی سے ایک عورت بولی۔ آہ بے چاری اُف۔کیسے پاگل ہو رہی ہے۔رو رو کر۔اُف خدایا! کسی ماں سے اُس کی اولاد نہ بچھڑے۔مختلف سمتوں سے مختلف آوازیں آنے لگیں۔جانے کیوں وہ چونک اُٹھی۔میں اپنی ماں سے خود بخود بچھڑ رہی ہوں،ایسے جیسے اسے ایک جھٹکا سا لگا۔وہ عورت اپنے حواس میں نہیں رہی تھی۔شاید اس کا رونا،سسکنا،تڑپنا،دیکھا نہ جاتا تھا۔میری ماں کی بھی یہی حالت ہوگی۔رات ہوتے ہوتے میری شمو کہہ کہہ کر وہ بھی یوں ہی تڑپے گی۔سسکے گی۔اس نے سوچا ایک دم جیسے اس کے دل پر ایک گھونسا سا آن لگا۔نہیں وہ یہ سب نہیں کرے گی۔میں بچھڑی نہیں۔گھر سے بھاگی ہوئی ہوں۔وہ دیواروں سے سر ٹکرائے گی۔نہ مجھے آوازیں دے گی۔ہاں ایسا کرنے پر اگر لوگ تسلی دینے کو آگے بڑھے تو کیا کہے گی؟ میری شمو۔گھر سے بھاگ گئی ہے نہیں وہ کسی سے کچھ نہ کہہ پائے گی۔میری میز پر پڑا ہوا پرچہ اس کی زبان بند کر دے گا۔یہ عورت بھرے مجمع میں چلا چلا کر پکار رہی ہے۔اپنی بیٹی کو وہ بدنصیب میرا نام بھی زبان پر نہ لا پائے گی۔اپنی چیخیں اپنے پاؤں تلے روند کر خود اس سے اپنا ہاتھ چھڑا آئی ہوں۔یہاں کسی کو کیا معلوم۔دو چار پولیس والے،اتنے میں تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے اس عورت کی جانب بڑھے۔وہ ان کے پوچھنے پر بچی کا حلیہ بتانے لگی۔وہ پانچ سال،پانچ سال،اس کے گلے سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھے جا رہی تھی۔دل میں طوفان برپا تھا۔اور رُخساروں پر آنسو رواں تھے۔اسے شاید اس کا احساس نہ تھا۔یکا یک آنسوؤں کی گہری دھند میں اس نے گھڑی کی جانب دیکھا۔ جانے برمنگھم واپسی کی ٹرین کتنے بجے ملے گی؟ اس نے دل ہی دل میں سوچا اور رومال سے آنکھیں خشک کرتے ہوئے ٹکٹ آفس کی جانب چل دی۔

○○

غزل ــــ حمیدہ معین رضوی

میں جانے کیوں صداقتوں کے خواب دیکھتی رہی
نظر کی ممکنات تک گلاب دیکھتی رہی
جب اپنوں نے ہی دار پہ چڑھا دیا تو یہ کھلا
محبتیں عذاب تھیں عذاب دیکھتی رہی
سمجھ میں کچھ تو آ گیا سمجھ میں کچھ نہ آ سکا
اصولِ زندگی کا وہ نصاب دیکھتی رہی
اک اوڑھنی، کتاب ایک ،ورثہ ءِ حیات تھا
نصیب کا میں فخر سے یہ باب دیکھتی رہی
ورق ورق ،لہو لہو ،تھی اسکی د استاں یوں
نہ پڑھ سکی بس اسکا انتساب دیکھتی رہی
علامتیں حیات کی کہاں کہاں تلاش کیں
میں ابر دیکھتی رہی سحاب دیکھتی رہی
دعا کو اٹھے ہاتھ خود ندامتوں سے گر گئے
عمل کا پوری قوم کے حساب دیکھتی رہی
برت نہ پائی زندگی حیات رائیگاں گئی
سفر تھا تنہا دشت کا، سراب دیکھتی رہی
جو قتل کر کے سر اٹھائے فخر سے کھڑے رہے
ضمیر کا میں انکے احتساب دیکھتی رہی
شہادتِ حسین میں میں رازِ حق کے واسطے
کتابِ عدل میں نہاں جواب دیکھتی رہی

غزل ــــ سیما جبار

میں کیسا آج انوکھا باب لکھتی ہوں
دیارِ تیرگی میں آفتاب لکھتی ہوں
شبِ الم میں کہیں روشنی نہیں تو کیا
چراغِ اشک ہی کو ماہتاب لکھتی ہوں
تری نظر بھی ہو مانوس اُلفت سے
ترے ہی نام وفا کی کتاب لکھتی ہوں
چمن میں خار ہیں نفرت کے آج لیکن پھر
کھلیں گے مہرووفا کے گلاب لکھتی ہوں
تری شکستہ دلی سے نہ بدلیں گے حالات
ترے سوال کا یہ میں جواب لکھتی ہوں
ستم شعار کو طرزِ فغاں سکھائے گا وقت
کچھ ایسا آئے گا اب انقلاب لکھتی ہوں
قفس میں بھی جسے ہوتی ہے جراتِ پرواز
میں ایسے شخص کو عزت مآب لکھتی ہوں
حجاب وہ کہ با شرم و حیا ہوں آنکھیں
اسی حجاب کو سیماؔ حجاب لکھتی ہوں

غزل ــ شاہین اختر شاہین

مسکراتے ہوئے لمحوں میں گزارہ نہ کرو
وقت کی تیز ہواؤں پر بھروسہ نہ کرو
یورشِ گردشِ ایام سے فرصت ہے کہاں
دوستو! مجھ سے محبت کا تقاضا نہ کرو
تم کو معلوم نہیں مجھ پہ گزرتی کیا ہے
اُلجھے ذہنوں کو تصنّع سے سنوارا نہ کرو
ٹھیس اُٹھے تو کلیجے کو دبا لو لیکن
اپنے زخموں کے چراغوں کو جلایا نہ کرو
اشک شوئی نہ تیری کوئی کرے گا شاہیںؔ
اشک ہر بات پہ تم ایسے بہایا نہ کرو

غزل ــ شاہدہ ناز حسین

اُن سے آیا نہ گیا ہم سے بُلایا نہ گیا
حالِ دل ہم سے کسی طرح سنایا نہ گیا
اس نے بخشا تو سینے سے لگا کر رکھا
ہم سے تو درد کا تحفہ بھی گنوایا نہ گیا
دل میں خواہش تھی سویرے کی جو پوری نہ ہوئی
تیرگی بڑھتی رہی خود کو بچایا نہ گیا
ایک تعبیر نے تھا ایسے رُلایا مجھ کو
خواب آنکھوں میں نیا کوئی سجایا نہ گیا
سوچ کر تجھ کو سدا میں نے اُٹھایا ہے قلم
میرے شعروں سے تری یاد کا سایہ نہ گیا
نازؔ مجبور تھی میں رسمِ وفا کے ہاتھوں
اس لئے عہدِ وفا مجھ سے بھلایا نہ گیا

غزل ــ بانو راشد

ہر شخص بنا ہے شعر کا معمار دیکھئے
گرنے کو ہے ادب کی یہ دیوار دیکھئے
دشتِ ادب کی راہ کو دُشوار دیکھئے
کشتی کو اپنے ڈوبتے منجدھار دیکھئے
شیریں مقال اور ترنم کے ساتھ ساتھ
شہرت کی اس قطار میں فنکار دیکھئے
آتا نہ ہو اگر یقین میری بات کا
جا کر اُٹھا کے آج کا اخبار دیکھئے
شعروں پہ داد دیجئے مصرعے اُٹھایئے
ہوگا نہ کیسے گرم یہ بازار دیکھئے
آتا نہیں ہے بانوؔ کو شیریں زباں کا فن
شعروں پہ دُھنتے سر انہیں ہر بار دیکھئے

غزل ــ پاکیزہ بیگ

بہت دریا بھی میرے تھے فقط صحرا نہ تھا میرا
مجھے محصور کر ڈالا وگرنہ کیا نہ تھا میرا
مری تو آئینوں نے حقیقت کھول کر رکھ دیں
جب اپنی شکل دیکھی تو کوئی چہرہ نہ تھا میرا
مجھے لگتا ہے میری کاوشوں پر پھر گیا پانی
کہ موجودہ ترقی میں کوئی حصہ نہ تھا میرا
میں اُس بستی میں آنکلی جہاں سب غیر چہرے تھے
سبھی انسان پرائے تھے کوئی اپنا نہ تھا میرا
گئے گزرے زمانوں کی ہزاروں داستانیں تھیں
مگر اب بک سٹالوں پر کوئی قصہ نہ تھا میرا

غزل ــ جاوید اختر چوہدری

انجام زندگی پہ ہماری نظر نہ تھی
تھی دلفریب زیست مگر اس قدر نہ تھی
سوزِ غمِ حیات سے ہم بُجھ کے رہ گئے
کیا شور اپنی ذات میں تھا کچھ خبر نہ تھی
یہ عقل نامراد لئے در بہ در پھری
اظہار مدعا میں مگر باہنر نہ تھی
دستِ خزاں نے دل کی کلی کو مسل دیا
شاید مرے نصیب میں بادِ سحر نہ تھی
احباب کا خلوص تھا فہمیدگی بھی تھی
دُشمن کی بد دعا بھی کچھ بے اثر نہ تھی
دُشمن نے میرے ملک کو دو لخت کر دیا
اور رہبرانِ قوم کو گویا خبر نہ تھی

غزل ــ چمن لال چمنؔ

دکھاوے کی سجاوٹ رہ گئی ہے
زمانے میں بناوٹ رہ گئی ہے
دلوں کے پھول مُرجھا گئے ہیں
لبوں پر مسکراہٹ رہ گئی ہے
جسے کہتے ہیں میرے دل کی دھڑکن
ترے قدموں کی آہٹ رہ گئی ہے
وہ جھولے، مہکتے آنچل، وہ ساون
ہوا میں سرسراہٹ رہ گئی ہے
ترے مہتاب رُخ کا لمس پانے
بکھر کر زلف کی لٹ رہ گئی ہے
تیرے آکر چلے جانے کے غم میں
نگاہوں میں تراوٹ رہ گئی ہے
کوئی بھی چیز اب خالص نہیں ہے
ملاوٹ ہی ملاوٹ رہ گئی ہے
چمنؔ رُخصت ہوئی کب کی جوانی
بڑھاپے کی تھکاوٹ رہ گئی ہے

غزل ــ خالد یوسف

کہنے کو تو ہمارا تھا ہمارا ہی نہیں تھا
سب کچھ تھا وہ بے مہر سہارا ہی نہیں تھا
ہم جس کو سمجھتے تھے مقدر کا ستارا
معلوم ہوا وہ تو ستارا ہی نہیں تھا
ہم جان بھی دیتے پس و پیش نہ کرتے
لیکن تیرے ابرو کا اشارہ ہی نہیں تھا
یہ اپنا مقدر تھا کہ اس بحر میں اُترے
مانند فلک جس کا کنارا ہی نہیں تھا
اللہ نے بھی کام لیا بخل سے اس میں
ثانی اس بُت کا اُتارا ہی نہیں تھا
سچ بول کے آخر میں پشیمان ہمیں تھے
سچ بولنے کا احباب میں یارا ہی نہیں تھا
تنقید نگاروں پہ بھی رحم آتا ہے خلدؔ
شعراء میں فقط نام ہمارا ہی نہیں تھا

غزل ــ خورشید پرویز

ہم تیرے ظلم کی تشہیر نہ ہونے دیں گے
کوئی چاہے بھی تو تحقیر نہ ہونے دیں گے
انقلاب آئے کوئی چرخِ کہن ٹوٹ پڑے
ہم کسی اور کی توقیر نہ ہونے دیں گے
کہیں دیکھے نہ کوئی دل کے تڑپنے کا سماں
ہم اس بات کی تدبیر نہ ہونے دیں گے
گلستاں مہک اُٹھے ابرِ بہاراں جھومے
ہم تو جذبات کی تفسیر نہ ہونے دیں گے
ہم نے چاہا تھا بہت دل میں بسایا تھا تجھے
ہم تری چاہ کو دل گیر نہ ہونے دیں گے
یوں تو شاید ترے پہلو میں کوئی یاد نہ ہو
یادِ گُم گشتہ کو تسخیر نہ ہونے دیں گے
اے مرے چاک گریباں ہو تری عمر دراز
ہم کسی خواب کی تعبیر نہ ہونے دیں گے

غزل ــ ڈاکٹر رحیم اللہ شاد

ہر اک درو دیوار کے سائے نہیں ہوتے
ڈھلتے ہوئے سورج کے اشارے نہیں ہوتے
جس بزم میں قرآن کے سپارے نہیں ہوتے
ایسی جگہ اللہ کے پیارے نہیں ہوتے
لوگوں کے پاس اتنے خزانے نہیں ہوتے
دنیا میں ایسے ایسے تماشے نہیں ہوتے
جب تک کہ محبت کے اشارے نہیں ہوتے
دل کے گوشے میں اُجالے نہیں ہوتے
جب بھی کسی کے پُختہ ارادے نہیں ہوتے
منزل پہ پہنچنے کے بہانے نہیں ہوتے
ہم شادؔ محبت کے دیوانے نہیں ہوتے
محفل میں یار اگر ہمارے نہیں ہوتے

غزل ــــ رضیہ اسمٰعیل برمنگھم

غموں پہ ہاتھ ملنا آ گیا ہے
کھلونوں سے بہلنا آ گیا ہے
بہت پتھر کیا تھا خود کو میں نے
تو بچھڑا تو پگھلنا آ گیا ہے
محبت ہے کہ تو نفرت ہے ،جو ہے
ترے سانچے میں ڈھلنا آ گیا ہے
یہ کیسی درد کی سوغات دی ہے
بنا شعلوں کے جلنا آ گیا ہے
تجھے یہ سُن کے دُکھ ہویا خوشی ہو
مجھے گر کر سنبھلنا آ گیا ہے
گلابوں کو تم اپنے پاس رکھو
مجھے کانٹوں پہ چلنا آ گیا ہے

چند خوشگوار یادیں

(بشیر احمد رفیق خان)

خان بشیر احمد رفیق صاحب کہتے ہیں:

۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۳ء تک میں ٹی آئی کالج لاہور کا طالب علم تھا اور اُردو سوسائٹی کا پریذیڈنٹ بھی تھا۔ایک دفعہ ہم نے پروگرام بنایا کہ لاہور کے مشہور ادیبوں،شاعروں اور اہل قلم سے رابطہ کر کے انہیں سوسائٹی کی سالانہ میٹنگ میں شرکت کی دعوت دی جائے۔ہم نے پہلی ملاقات کے لئے جناب شوکت تھانوی صاحب کو چُنا۔اور اُن سے ملاقات کے لئے وقت مانگا۔اُن دنوں جناب جگر مرادآبادی لاہور آئے ہوئے تھے۔اور متعدد مشاعروں میں حاضرین سے داد وصول کر رہے تھے۔میرے ایک دوست نے جب یہ سُنا کہ میں جناب شوکت تھانوی صاحب کی ملاقات کے لئے جا رہا ہوں۔تو انہوں نے بہت اصرار کیا کہ میں انہیں بھی اپنے ساتھ لے جاؤں۔انہیں جناب شوکت تھانوی صاحب سے ملاقات کا بے حد شوق تھا۔ہم وقت مقررہ پر جناب شوکت تھانوی صاحب کے درِ دولت پر حاضر ہوئے ،گھنٹی بجائی ایک نوکرانی نے دروازہ کھولا اور کہا کہ جناب شوکت تھانوی صاحب سو رہے ہیں اس لئے وہ ملاقت نہیں کر سکیں گے۔میں نے اُسے بتایا کہ کہ ہم نے باقاعدہ جناب شوکت تھانوی صاحب سے وقت اور دن طے کیا ہوا ہے ہم انہیں ملے بغیر نہیں جائیں گے۔خیر بالآخر اس نے بیٹھک کا دروازہ کھولا اور ہمیں انتظار کرنے کو کہا۔ہم کچھ دیر بیٹھے رہے کہ اتنے میں جناب شوکت تھانوی صاحب ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس آنکھیں ملتے ہوئے اور منہ میں پان کی گلوری رکھے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔اور اس بات پر معذرت کا اظہار کرتے ہوئے کہ وقت مقررہ پر وہ ہمارا استقبال نہ کر سکے۔فرمایا:۔رفیق صاحب!اِن دنوں جگر کی وجہ سے رات کو جلد سونے کا موقع نہیں ملتا اسلئے صبح کو جلد اُٹھنا بھی ممکن نہیں ہوتا۔میرے دوست جو میرے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔فوراً بولے شوکت صاحب! آپ کو جگر کی تکلیف کب سے ہے۔جناب شوکت تھانوی صاحب مسکرا کر بولے۔بھئی میرا جگر خدا کے فضل سے سلامت ہے میں جناب جگر مرادآبادی کی بات کر رہا تھا۔جن کے ساتھ مشاعروں میں شامل ہو کر رات گئے گھر واپس آنا پڑتا ہے۔شوکت تھانوی صاحب سے ملاقات کے بعد باہر آ کر میں نے قہقہہ لگایا اور پوچھا۔کیوں جی اب سمجھ آئی کہ جگر مرادآبادی کا تذکرہ تھا،تھانوی صاحب کے جگر کا نہیں۔

دوسرا واقعہ

ادیبوں سے ملاقاتوں کے سلسلہ میں ایک مرتبہ خاکسار جناب وقار عظیم صاحب پروفیسر اُردو اورنٹیل کالج کی خدمت میں حاضر ہوا۔انہیں کالج میں تشریف لا کر خطاب کرنے کی درخواست کی۔جناب وقار عظیم صاحب اُردو کے عظیم ادیب تھے۔انہوں

نے میری درخوست سُن کر فرمایا کہ میاں! میں نے کالجوں میں جانا ترک کر دیا ہے ۔وہاں طلباء کی بدتمیزی اور شوروغوغا مجھے پسند نہیں ۔میں نے عرض کیا کہ جناب ہمارا کالج روایتی کالجوں کی طرح نہیں ۔وہاں طلباء با اخلاق اور مودَب ہیں آپ ایک بار تشریف لا کر دیکھیں تو سہی ۔بالآخر وہ مان گئے ۔کالج کے ہال میں طلباء اور پروفیسر صاحبان بمع پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کے اپنی اپنی سیٹوں پر براجمان ہو گئے ۔جناب وقار عظیم صاحب کے مقالہ پڑھنے سے پہلے پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے کھڑے ہوکر اشارے سے طلباء کو خاموشی اختیار کرنے کا حکم دیا۔ہال میں مکمل خاموشی طاری ہوگئی ۔جناب وقار عظیم صاحب کے مقالہ پڑھنے کے دوران اچانک کچھ وقفے کے لئے بجلی چلے گئی اور ہال میں گُھپ اندھیرا ہوگیا۔یہ چند منٹ کا وقفہ بھی انتہائی خاموشی میں گزر گیا بجلی دوبارہ آنے پر جناب وقار عظیم صاحب نے اپنا مقالہ پورا کیا۔میٹنگ ختم ہونے پر جناب پرنسپل جناب وقار عظیم صاحب کو اپنے دفتر میں لے گئے ۔چائے کے دوران جناب وقار عظیم صاحب نے فرمایا کہ ''میاں صاحب! میں نے ڈسپلن اور خوش خلقی کا ایسا نظارہ اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔حتیٰ کہجب بجلی چلے گئی تب بھی طلباء خموش بیٹھے رہے۔جبکہ شرارتی طلباء تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بدتمیزی کا مظاہرہ کر سکتے تھے۔'' غرضیکہ جناب وقار عظیم صاحب نہایت اعلیٰ تاثر لے کر رُخصت ہوئے ۔

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

پچھلے سال کی بات ہے میں جماعت احمدیہ کے سالانہ جلسے میں شریک تھا۔وقفہ کے دوران باہر آ کر دوستوں سے ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا۔کچھ فاصلے پر میرے ایک پُرانے جاننے والے دوست جو یارک شائر سے تشریف لائے تھے۔مجھ سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوکر مجھے گھورنے لگے ۔جب میں نے اُن کی طرف دیکھتا تو وہ منہ دوسری طرف کر لیتے ۔کچھ دیر بعد مجھے اس کے اسطرح گھورنے سے گھبراہٹ شروع ہوئی ۔میں نے زور سے اُن کا نام لے کر انہیں قریب آنے کو کہا۔وہ ڈرتے ڈرتے میرے قریب آئے ۔میں نے اُن سے مصافحہ کیا اور گھورنے کی وجہ پوچھی تو وہ فرمانے لگے ۔کہ میں نے سمجھا تھا کہ آپ کب کے فوت ہو چکے ہیں۔آپ کو یہاں کھڑا دیکھ کر میں عجیب شش وپنج میں مبتلا ہوگیا کہ ہمارے امام صاحب ہیں یا اُن کی رُوح ۔

ایک اور واقعہ

ہمارے پہلے جلسہ سالانہ یوکے ۱۹۶۴ء کے موقع پر جناب ''سر ظفر اللہ خان''

صاحب ہیگ ہالینڈ سے تشریف لائے تھے۔انہوں نے جلسے کا آغاز اپنی افتتاحی تقریر سے کرنا تھا لندن کے ایک قدیمی اور نہایت مخلص دوست کو میں نے صدارت کے لئے کہا۔تو وہ بہت گھبرائے اور فرمانے لگے کہ ''سر ظفر اللہ کی شخصیت اور اُن کے مرتبے کا مجھے بخوبی احساس ہے ۔مجھے ڈر ہے کہ گھبراہٹ میں میرے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو مناسب نہ ہو۔'' میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے عرض کیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھا ہونگا۔تاہم جلسے کا اا گذ تلاوت نظم سے ہوا۔تو جناب صدر نے سر ظفر اللہ خان صاحب کو تقریر کرنے کی دعوت دینے کے دوران ان کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ'' کہہ دیا۔سر ظفر اللہ خان ڈائس پر آئے ۔تو فرمایا:۔

Ladies and gentlemen I am very much alive

''رضی اللہ'' کا لقب صرف اُن لوگوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو راہی ملک عدم ہو چکے ہوں ۔

○○

مولوی

(ہاشم علی رضا)

پگڑی اچھا لنے سے بھی کرتا نہیں گریز
آداب زندگی بھی سکھاتا ہے مولوی
سجدوں کا ہے جبیں پہ نشاں دل مگر سیاہ
ڈرتا نہیں خدا سے ڈراتا ہے مولوی
روشن چراغ کرتا ہے اندھوں کے سامنے
اہل نظر سے آنکھ چراتا ہے مولوی
کرتا ہے دین فروخت فتاویٰ کی شکل میں
انسانیت کا منہ بھی چڑاتا ہے مولوی
واعظ کی شکل میں کبھی ناصح کے روپ میں
دیوار بن کے راہ میں آتا ہے مولوی
ٹھیکہ لیا ہے دین کی تبلیغ کا مگر
ابلیسیت کے کام کراتا ہے مولوی
چربی چڑھی ہے دیکھئے گردن پہ تہہ بہ تہہ
ملت کے غم میں پھولتا جاتا ہے مولوی
بارہ وفات ہو کہ محرم کا چاند ہو
سیزن میں دام اپنے بڑھاتا ہے مولوی
ہاشم خدا گواہ بساطِ حیات پر
دستِ اَجل کی شکل میں آتا ہے مولوی

○○

مذہب کے نام پر قتل

جناب ڈاکٹر مہدی علی قمر شہید

عاصی صحرائی

سوچ سوچ کر دماغ کی رگیں تن جاتی ہیں کہ آنے والی نسلوں کے لئے ہم کیسا پاکستان چھوڑے جارہے ہیں۔؟

سوموار مورخہ ۲۶ مئی کی صبح دفتر کو نکلنے سے پہلے اپنا ٹوٹر چیک کر رہا تھا کہ نظر پڑی کہ ایک خوفناک عبارت اور ایک خون میں لت پت تصویر ایک عجیب کہانی سنا رہی تھی: ''احمدیہ مسلک سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر مہدی علی قمر کو علی الصبح چناب نگر (ربوہ) میں ان کی بیوی اور بچے کی آنکھوں کے سامنے گولیاں مار کر قتل کر دیا گیا'' ٹویٹ کے ساتھ ہی ایک شخص کی تصویر تھی جس کی سفید قمیض خون سے تر تھی۔ مگر چہرے پر ایک عجیب سا سکون تھا۔ ایک طمانیت تھی۔ دفتر پہنچتے ہی میں نے اس خبر کی تفصیلات کی تلاش کی مگر بے سود۔ تمام اخبارات نواز شریف کے دورہ ہندوستان اور نریندر مودی کی حلف برداری پر توجہ مرکوز کئے ہوئے تھی۔ ظاہر ہے اہم خبروں کے سامنے معمولی خون خرابہ اتنا اہم تھا بھی نہیں۔ لیکن اس عورت کے لئے یہ خبر سب سے اہم تھی جس کی آنکھوں کے سامنے اس کے شوہر پر گیارہ گولیاں مار کر اسے قتل کر دیا گیا۔ یا اس بچے کے لئے جس کی آنکھوں کے سامنے اس کا باپ خاک وخوں میں لت پت پڑا تھا وہ بچہ جسے شاید مذہب، مسلک اور فرقے کا ابھی پتا بھی نہ ہو۔ سارا دن ایسے ہی سوالات میرے ذہن میں گھومتے رہے۔ دن گزرنے کے ساتھ کچھ مزید تفصیلات سامنے آئیں۔ ڈاکٹر مہدی علی قمر امریکی ریاست اوہائیو کے شہر کولمبس میں کارڈیالوجسٹ تھے۔ اور پاکستان میں انسانی ہمدردی کی بنا پر رضا کارانہ طور پر چناب نگر کے ہسپتال طاہر انسٹیٹیوٹ میں خدمت کرنے کی غرض سے آئے تھے۔ اس ہسپتال کے بارے میں پہلے ہی مختلف اوقات میں فتوے جاری کئے جا چکے ہیں۔ کہ یہاں علاج کروانا شریعت کی رُو سے حرام ہے۔ اور نفرت انگیز لٹریچر میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ یہاں علاج کروانا شریعت کی رُو سے کفر کے زمرے میں آتا ہے۔ ڈاکٹر مہدی علی قمر امریکی ریاست اوہائیو کے شہر کولمبس میں رہائش پذیر تھے۔ اور وہیں پریکٹس کرتے تھے۔ بے چارے یہاں خدمت کے جذبے سے تشریف لائے تھے۔ مگر یہ قوم اس لائق نہیں کہ اس سے اسقدر ہمدردی کی جائے! یہاں تو پولیو کے قطرے پلانے والوں کو نہیں بخشا جاتا۔ بار بار ایک سوال میرے دماغ کو جھنجھوڑ رہا تھا کہ ہم من حیث القوم کہاں جارہے ہیں؟ عدم برداشت اور مذہبی منافرت کا ناسور ہمارے رگ و پے میں اس حد تک سرایت کر چکا ہے کہ اب اس میں سے بو آنے لگی ہے۔ اور اس کے تعفن سے دم گھٹنے سا لگا ہے۔ سوچ سوچ کر دماغ کی رگیں تن جاتی ہیں کہ آنے والی نسلوں کے لئے ہم کیسا پاکستان چھوڑے جارہے ہیں۔؟

اور کیا ہماری آئندہ آنے والی نسلیں بھی آج کی بوئی ہوئی نفرتوں کی فصل کاٹیں گی؟ یہ واقعہ اور اس جیسے دوسرے وقعات دیکھ کر ڈر لگتا ہے۔ قلم اُٹھانے، بچوں کو پولیو ویکسین پلانے، گھر سے باہر نکلنے سے، کسی سے ہمدردی کرنے سے ڈر لگتا ہے۔ اب تو ٹی وی چینلز دیکھنے سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں فتویٰ نہ لگ جائے۔ اور کہیں ہماری کہانی بھی تو یٹر کے ۱۴۰ کیریکٹرز میں نہ سما جائے۔ شام کو گھر واپس آیا تو عجیب سی حالت تھی اپنے دونوں بچوں سے کھیلتے ہوئے بار بار ایک اَن دیکھے بچے کا چہرہ نظروں کے سامنے گھوم رہا تھا جو اپنے باپ کی لاش کے سامنے کھڑا ہے۔ جس کی ماں دھاڑیں مار مار کر رو رہی ہے اور اس بچے کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ کیا ہوا ہے؟ وہ کبھی اپنی ماں کی طرف دیکھتا ہے کبھی زمین پر پڑے اپنے باپ کی طرف اور کبھی آسمان کی طرف، اس کی معصوم آنکھوں میں کئی سوال ہیں۔ اسکا باپ تھوڑی دیر پہلے اس سے بات کر رہا تھا اسے سُن رہا تھا، اسے جواب دے رہا تھا یکا یک خاموش کیوں ہے اور ان دو لوگوں نے میرے بابا پر گولیاں کیوں چلائیں؟ میرے بابا تو لوگوں کی زندگیاں بچاتے تھے وہ تو ڈاکٹر تھے۔ وہ تو یہاں لوگوں کی زندگیاں بچانے آئے تھے کیا وہ کچھ غلط کر رہے تھے؟ میرے ہی بابا کو کیوں مارا گیا؟ اور یہ سوال اس بچے کا نہیں یہ سوال وہ سب بے گناہ کر رہے ہیں جنہیں ۲۸ مئی کو لاہور کی دو احمدیہ مساجد میں نماز ادا کرتے ہوئے شہید کیا گیا۔ جنہیں ہزارہ میں ان کا شناختی کارڈ دیکھ کر بسوں سے اُتار کر مارا گیا، جنہیں پشاور کے آل سینٹ چرچ میں مارا گیا، جنہیں گوجرہ میں مارا گیا، یہی وہ سوال ہیں جو سلمان تاثیر کی فیملی کرتی ہے۔ یہی سوال ہیں جو راشد رحمان کی بیوہ کر رہی ہے اور یہی وہ سوال ہیں جو ہمارے بچے ہم سے کریں گے۔ اس سے پہلے کہ یہ آگ سارے ملک کو بھسم کر ڈالے قوم کو اس کے متعلق سنجیدگی سے سوچنا ہوگا۔ کہ اسلام کیا کہتا ہے اور مسلمانِ پاکستان کیا کر رہا ہے۔

○○

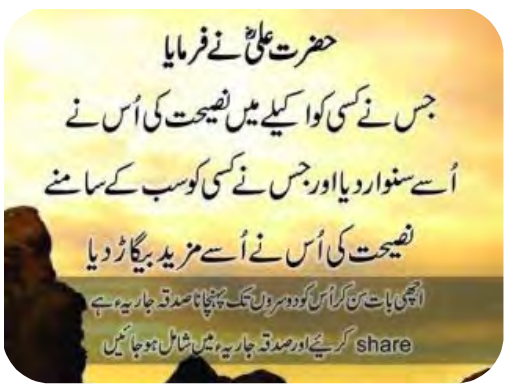

نمازِ عشق ہوتی ہے ادا، خوں سے وضو کر کے

(ارشاد عرشی ملک)

ہر ایک چینل پہ چھا جاؤ مسلسل ہاؤ ہُو کر کے
بھلے چھکّے چھڑا دو تم ،زبانی گفتگو کر کے
نہیں ملتے مگر اعلیٰ مراتب مفت میں عرشیؔ
نمازِ عشق ہوتی ہے ادا ،خوں سے وضو کر کے
نہیں ہے عشق کا مسلک کسی کی جان لے لینا
یہاں جاں وارنی پڑتی ہے جسم و جاں لہو کر کے
سمعنا اور اطعنا، اپنی نسلوں کی کمائی ہے
نہیں ملتی یہ دولت دیکھ لو تم آرزو کر کے
اطاعت کیا ہے اپنی خود سری کو قتل کر دینا
اور اس کے بعد جی اُٹھنا ،رضا زیبِ گلو کر کے
محبت اور انا، دونوں بظاہر قیمتی شئے ہیں
پر اِک کو ڈوبنا پڑتا ہے ،دو جی کو طلوع کر کے
ہم اپنی جان و مال اور آبرو قربان کر دیں گے
خلافت کو مگر رکھیں گے دائم سُرخرو کر کے
خدا خود کھولتا جاتا ہے اب راہیں ترقی کی
ہر اِک منزل کریں گے سر ذرا سی جُستجو کر کے
یہ بادل ابتلاؤں کے ہمیشہ تو نہ ٹھہریں گے
دُعا، ان کو اُڑا لے جائے گی یک لخت چُھو کر کے
جہاں میں ہر طرف آواز دینا کام ہے اپنا
سو یہ چرچا رہیں گے لازماً ہم کُو بکُو کر کے
نویدِ فتح لکھی جا چکی ہے اپنی قسمت میں
خُدا رکھے گا آخر عاجزوں کو سُرخ رُو کر کے

غزل ــــ ڈاکٹر نگہت افتخار

شوق کو عازمِ سفر رکھیئے
بے خبر بن کے سب خبر رکھیئے
چاہے نظریں ہوں آسمانوں پر
پاؤں لیکن زمین پر رکھیئے
مجھ کو دل میں اگر بسانا ہے
ایک صحرا کو اپنے گھر رکھیئے
بات ہے کیا یہ کون سوچے گا
آپ لہجے کو پُر اثر رکھیئے
جانے کس وقت کوچ کرنا ہو
اپنا سامان مختصر رکھیئے
مستقل مجھ کو دیکھے جاتی ہیں
اپنی نظروں پر کچھ نظر رکھیئے

غزل ــــ ڈاکٹر مہدی علی قمر

میں کیوں پتھر کی نگری میں پتھر چننے بیٹھا ہوں،
نفرت کی دنیا میں، اُلفت کی ریشم ڈوری سے،
دل کے چاک گریباں کے، کیوں بخیئے سینے بیٹھا ہوں،
میں پاگل ہوں، دیوانہ ہوں، رسمِ ہوس سے دنیا کی،
انجانا ہوں بے گانہ ہوں، یہ دنیا ہے بازار جہاں،
ہر شخص کی قیمت لگتی ہے اخلاص کا کوئی مول نہیں،
یوسف پہ تہمت لگتی ہے اس بازار میں،
عشق کے کھوٹے سکے چلانے بیٹھا ہوں،
رشتے وفا کے ٹھکرا کے، جو اپنے تھے بیگانے ہیں،
اور میں پاگل، بیگانوں کو اپنا بنانے بیٹھا ہوں،
پیاسے ہیں اشک ان آنکھوں میں،
اور دل کا درد بھی پیاسا ہے اور میں پاگل دیوانہ،
پیاسے اشکوں سے، پیاسے من کی، پیاس بجھانے بیٹھا ہوں،

غزل ــــ امجد مرزا امجد

کتنے موسم بدل گئے ہیں ہجر کی آگ بجھانے میں
کتنی صدیاں بیت گئی ہیں روتا دل بہلانے کو
تم نے ہم کو چاہا تھا اور تم نے ہی ٹھکرایا تھا
جانے کتنا وقت لگے زخموں کے بھر جانے میں
پاؤں کی اک جنبش سے ہی پتی پتی پھول ہوا

یہ نہ سوچا کتنی دیر لگی تھی پھول اُگانے میں
میرے گھر کے شیشے بھی تو تیرے گھر کے جیسے ہیں
کیوں نہ ہاتھ میں لغزش آئی پتھر کے برسانے میں
ہم تو رند نہیں تھے ساقی لوگوں نے بدنام کیا
تیری آنکھ کی مستی سے بس جھومے تھے میخانے بھی
کتنے موسم انگاروں کے خاموشی سے کاٹے ہیں
ہونٹ نہ امجدؔ کھول سکے ہم ساری عمر زمانے میں

غزل ــــ منور احمد کنڈے

فلک پر کہکشاں باقی نہیں ہے
ستاروں کا جہاں باقی نہیں ہے
کتابِ درد پڑھ کر رو دیا ہوں
مری ہی داستاں باقی نہیں ہے
صحیفے بھی ہوئے بے سود آخر
عمل میں جب گیاں باقی نہیں ہے
خطابت ساحری، نیکی بدی کی
صداقت کا بیاں باقی نہیں ہے
پرندہ فکر کا بھی تھک گیا ہے
شجر پر آشیاں باقی نہیں ہے
چٹکنے کو کلی بیتاب لیکن
بہارِ گلستاں باقی نہیں ہے
وفا کے تیر تو ہیں ذہن و دل میں
چلانے کو کماں باقی نہیں ہے
ادا کیسے نماز عشق ہوگی
منورؔ جب اذاں باقی نہیں ہے

غزل ــــ عبدالجلیل عباد

آپ سے ہم کو پیار ہے صاحب
آپ تو اپنا یار رہے صاحب
اس خزاں کے ویران موسم میں
آپ کا دم بہار ہے صاحب
سُن لو ظلمت کدوں کے شب زادو
روشنی کا مینار ہے صاحب
اے مسیحا تو کر مسیحائی
یہ زمانہ بیمار ہے صاحب
لوٹ آتی صدائیں دل کی
بیچ اپنے دیوار ہے صاحب
ان کو کثرت پہ ناز ہے اپنی
ان کو اس کا خمار ہے صاحب
مٹی کے پُتلے بھول جاتے ہیں
زندگی تو غبار ہے صاحب

غزل ــــ راجہ محمد سلیمان شاہد جرمنی

بھرے جہاں کا شباب تُو ہے
مرے چمن کا گلاب تُو ہے
کہ جس کو پڑھنے میں عمر گذرے
وہ حُسن تُو ہے کتاب تُو ہے
مرے خیالوں کے گُلستاں میں
گلوں بھرا وہ شباب تُو ہے
جس کی لَے پہ جھوم اُٹھے دل
پیار کا وہ رُباب تُو ہے
نشے میں جس کے نہا گیا ہوں
مرے جنوں کی شراب تُو ہے
مرے جنوں میں مرے جہاں میں
آداب! عالی جناب تُو ہے
میں جانتا ہوں گناہ میں یوں
میں جانتا ہوں ثواب تُو ہے

غزل شب .... میزبان: مخدوم امجد شاہ صاحب

آپ ڈی ایم گلوبل کے اہم اراکین میں سے ہیں اُردو ادب کی ترویج و ترقی میں ممد و معاون ثابت ہوئے ہیں ہر بدھ وار کو غزل شب پروگرام رات گیارہ بجے کرتے ہیں جس میں مہمان کے علاوہ ناظرین کو بھی پذیرائی ملتی ہے نئی نسل میں اُردو کی ترقی و ترویج کے زبردست حامی ہیں ۔مخدوم فیملی سے تعلق ہے ہمارے لئے بہت ہی قابل قدر ہیں ۔آپ کا اخلاق و کردار بھی انسان کو موہ لیتا ہے ہر وقت چہرے پر مسکراہٹ اُن کا شیوہ ہے آپ نے تین سال کے عرصہ میں ایک صد سے زائد شعراء ادیبوں کے انٹرویو لے کر اہل یورپ کو ان کے علم سے مستفید کیا اور اُردو زبان کی زبردست خدمت کی ۔آپ کا اُردو زبان کے حوالے سے علم بھی بہت ہی وسیع ہے آپ شعراء و ادیبوں کی بہت حوصلہ افزائی کرتے ہیں آپ شاعر بھی ہیں اور آپ کے والد مرحوم بھی ایک شاعر تھے ۔ یہ خانوادہ اُردو ادب کی درسگاہ سے کم نہیں ۔اللہ تعالیٰ انہیں اس خدمت کی جزا دے اور صحت مند طویل عمر سے نوازتا رہے ۔آمین ۔

سید حسن خاں کے شہ پارے

گستاخی معاف!

☆۔شیطان کو کبھی لفٹ نہ دیں،اسے اسٹیئرنگ سنبھال لینے کی پرانی عادت ہے۔غصے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنا آپ،غصہ دلانے والے کے ہاتھ میں دے دیا۔☆۔کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں،مگر نہ کرنے میں ضرور ہے۔☆۔گیدڑوں کا لشکر جس کا سالار شیر ہو،شیروں کی اس فوج سے بہتر ہے جس کی کمان گیدڑ کے ہاتھ میں ہو۔☆۔چہرے کو خوبصورت بنانے کا سب سے اچھا طریقہ اس پر مسکراہٹ سجانا ہے۔☆۔دوسرے کا چراغ بجھ جانے سے آپ کے چراغ کی روشنی میں اضافہ نہ ہوگا۔

گائے کی ڈھال!

شہاب الدین غوری نے جب دوسری مرتبہ دلی پر حملہ کیا تو اپنی فوج کے آگے گائیوں کا بہت بڑا گلہ کر دیا اور اس گلے کی آڑ میں پیش قدمی جاری رکھی۔گائیوں کے احترام کے سبب چوہان اپنی تلواریں نیاموں میں بند کیے پیچھے ہٹتے رہے اور محمدؒ غوری کی فوج آگے بڑھتی رہی۔یہانتک کہ انہوں نے گائیوں کی ڈھال کی آڑ میں دلی فتح کر لی اور چوہان گائیوں کو کاٹ کر ترکوں تک نہ پہنچ سکے۔

مشورہ!

☆۔مشورہ لینا بُرا نہیں لیکن بغیر سوچے سمجھے اس پر عمل کرنا بُرا ہے۔

☆۔بہت سے نقصانات اس لئے بھی ہوتے ہیں کہ ہم دوسروں سے مشورہ لینا گوارا نہیں کرتے۔

پاک سرزمین شاد باد کے بیش قیمت خزانے

☆۔ہمارا وطن عزیز ان چند ممالک میں سے ہے جنہیں قدرت نے ہر موسم سے نوازا ہے۔اگر یہاں گرمی 55 ڈگری تک جاتی ہے تو سردی منفی 22 ڈگری تک ۔☆۔ہمارے پاس دنیا کی سب سے بڑی نمک کی کان ہے جو کہ تقریباً بیس میل لمبی ہے جو کہ کھیوڑہ میں ہے۔اور ہمارا نمک بھی خالص ترین ہے۔

☆۔جدید ترین سروے کے مطابق ہمارے صوبہ بلوچستان میں کوئلے کے سب سے بڑے ذخائر پائے گئے ہیں۔☆۔ہماری سرزمین سے چونے کا پتھر جو سیمنٹ بنانے کے کام آتا ہے سب سے زیادہ نکلتا ہے۔اس سے بننے والا سیمنٹ معیار میں بھی بہترین ہے۔☆۔مارکو پولو نامی بھیڑ پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں پائی جاتی ہے۔☆۔انتہائی خوبصورت پرندہ تلور صرف صحرائے بلوچستان میں پایا جاتا ہے۔☆۔دنیا میں سب سے میٹھے اور لذیذ آم شجاع آباد کے مانے جاتے ہیں۔☆۔دنیا کی سب بڑی مصنوعی جھیل پاکستان کی تربیلا جھیل ہے۔☆۔مٹی سے تعمیر شدہ دنیا کا سب سے بڑا قلعہ شہر حیدر آباد میں ہے۔تو پھر بھلا ہم اپنے اس وطنِ عزیز سے کیوں نہ محبت کریں۔

گدھا!

گدھا انسان کا سب سے پرانا خادم ہے۔اس نے دنیا کے تقریباً ہر گوشے میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں ہیں۔موجودہ مشینی دور میں بھی جبکہ نقل و حمل کے وسائل میں عظیم اور حیران کن انقلاب آچکا ہے،گدھا بدستور غریبوں کا سواری اور بعض مقامات پر روزگار کا واحد ذریعہ ہے۔دنیا کے کسی بھی خطے اور گوشے میں چلے جائیں تپتے ہوئے ریتلے صحراؤں،بے آب و گیاہ چٹیل میدانوں،سنگلاخ اور دشوار گزار پہاڑوں اور جنگلوں میں تقریباً ہر جگہ آپ گدھا موجود پائیں گے۔فلسطین میں بعض مقامات پر کھدائی کے دوران گدھے کی تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح پرانی ہڈیاں ملی ہیں۔گدھا دو قسم کا ہوتا ہے،جنگلی اور پالتو۔ماہرین حیوانوں کا کہنا ہے کہ گدھا جس نسل کا رُکن ہے ذہانت،طراری اور پھرتی اس کے نمایاں اوصاف ہیں۔گدھے کی اوسط عمر چالیس برس ہے۔

تین چیزیں.....

ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی ''اے پروردگار! کتنا اچھا ہوتا کہ تین چیزیں ہوتیں اور تین نہ ہوتیں:

☆۔ زندگی ہوتی موت نہ ہوتی!

☆۔ جنت ہوتی دوزخ نہ ہوتی!

☆۔ تندرستی ہوتی بیماری نہ ہوتی!

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ!

☆۔اگر زندگی ہوتی، موت نہ ہوتی تو میرا دیدار کیسے ہوتا؟ ☆۔اگر جنت ہوتی اور دوزخ نہ ہوتی، تو میرے عذاب سے کون ڈرتا؟ ☆۔اگر تندرستی ہوتی اور بیماری نہ ہوتی تو میرا شکر کون کرتا؟''

عذاب الٰہی!

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے عرض کی:

'' الٰہی جس شہر کے لوگوں نے تیری نافرمانی کی ہو۔ جب تیرا عذاب اس شہر پر نازل ہوتا ہے تو سارے شہر کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ اس سے قبل کہ بارگاہِ الٰہی سے کوئی جواب آتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گرمی سی محسوس ہوئی اور آپ ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے پھر ایسی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی کہ آپ کو نیند آ گئی اور آپ وہیں سو گئے۔ درخت کے پاس چیونٹیوں کا مسکن تھا۔ چیونٹیاں آپ کے پاؤں پر رینگ گئیں اور ایک چیونٹی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاؤں پر کاٹ لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جلال میں اٹھے اور اپنے قدم سے ساری چیونٹیوں کو مسل دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''دیکھا اے موسیٰ علیہ السلام! تجھے کاٹا تو ایک چیونٹی نے تھا مگر اس کی پاداش میں ساری مسلی گئیں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرا عذاب مطیع و عاصی دونوں پر آتا ہے مگر عاصی کے لئے تو عذاب ہی ہوتا ہے لیکن مطیع کے لئے رحمت برائے آخرت ہوتا ہے۔''

○○

پرانے گھر کے موسم..... عاصی صحرائی

یہاں پردیس میں آ کر ہم اپنے دیس کی باتیں
کبھی تو بھول جاتے ہیں، کبھی ہم خود بھلاتے ہیں
انہی باتوں میں، یادوں میں پرانا گھر بھی ہے میرا
پرانے گھر کے وہ موسم ابھی تک یاد آتے ہیں
کبھی بارش جو ہوتی تھی
ہمارے ٹین کی چھت پر کئی سُر تال بجتے تھے،
بڑے کمرے کے بیچوں بیچ ہم برتن بھی رکھتے تھے
اُن سوراخوں سے کبھی سورج بھی چمکتا تھا
کبھی بارش جو ہوتی تھی تو پانی بھی ٹپکتا تھا
نئے ہمسائے کی بیٹی ہمارے گھر میں آتی تھی
ہماری بہنوں کے سنگ بیسنی روٹی پکاتی تھی
مزا بارش کا جو ہم کو پرانے گھر میں آتا تھا
ابھی تک یاد آتا ہے
اگرچہ لُو بھی چلتی تھی، فضا بھی گرم ہوتی تھی
،اور ایسا حبس ہوتا تھا کہ جیسے دم نکل جائے
ایسے میں ہم دوستوں کو ستّو پلاتے تھے
اگر ہوں جیب میں پیسے تو قلفی بھی کھاتے تھے
کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ دسترخوان بچھتا تھا
وہیں کونے پہ رکھی بالٹی میں آم ہوتے تھے
کبھی ایک دو کبھی دو چار اپنے نام ہوتے تھے
غریبی میں جو جینے کا مزا تھا یاد آتا ہے
خزاں آتی تھی موسم کا عجب ہی ڈھنگ ہوتا تھا
ہرے پتوں کا خوف سے پیلا رنگ ہوتا تھا،
جدا ہو جائیں گے ہم شاخ سے یارو کسی بھی دن
کہ روندے جائیں گے پیروں تلے یارو کسی بھی دن
انہی سُوکھے ہوئے پتوں میں پھر اک پھول کھلتا تھا
انہی سُوکھے ہوئے پتوں سے وہ چپکے سے کہتا تھا
بہاریں پھر بھی آئیں گی، بہاریں پھر بھی آئیں گی
گھٹائیں پھر بھی چھائیں گی بہار آتی تھی

تو آنگن میں ہمارے پھول کھلتے تھے
ہرے پتے خزاں کے کوچ کی خوشیاں مناتے ہوں
سن، سنا، سن، سنا، سن کوئی نغمہ سناتے ہوں
محلے کے جواں لڑکے پتنگیں بھی اُڑاتے تھے
کہیں دُم چھلے اُڑتی تھیں کہیں گُڈے لہراتے تھے
جوانی میں عشق کے پیچ لڑاتے تھے
کبھی تو جانے بوجھے اک مکاں کی چھت پر ہم یارو
کسی کو دیکھ کر ہم اپنی پتنگیں بھی گراتے تھے
سردی ہو یا گرمی ہو خزاں آئے بہار آئے
پرانے گھر کے وہ موسم ابھی تک یاد آتے ہی

سیدہ حمیدہ معین رضوی کی کتاب ''تخلیقی تنقید'' کی رسم رُونمائی

(عاصی صحرائی)

حسبِ پروگرام مورخہ ۱۵ جون کو بوقت چار بجے شام (ڈورس وَنر کمیونٹی سنٹر ووسٹر پارک) ہال لندن میں پروگرام شروع ہوا۔ زیڈ یو خان صاحب نے صدارت کی اور نظامت نیلوفر ضیاء دین صاحبہ کے حوالے تھی محترمہ۔ محترمہ عابدہ لال صاحبہ، نیلوفر صاحبہ، رضیہ اسمٰعیل صاحبہ، مکرم محمد شریف بقاء صاحب، نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ سب نے سیدہ حمیدہ معین رضوی کی اس انوکھی کاوش کو بہت سراہا۔ آخر میں جناب صاحب صدر زیڈ یو خان صاحب نے بھی اس تخلیقی معرکے کو ایک باہمت اور نڈر خاتون کا معرکہ قرار دیا۔ اس کے بعد ریفرشمنٹ کا انتظام تھا اس کے فوراً بعد ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا جس میں مبارک احمد مبارک، ڈاکٹر جمال ثوری، فرزانہ فرحت، رحیم اللہ شاد، اسمٰعیل اعظم، رانا عبدالرزاق خاں (عاصی صحرائی) عامر امیر، محمد شریف بقاء حمیدہ معین رضوی، رضیہ اسمٰعیل، نے اپنا کلام سنایا۔ آخر میں ایک فوٹو بھی ہوئی۔ مشاعرے کی نظامت امجد مرزا امجد نے کی جو کہ خوب رہی۔ حسب عادت مزاحیہ چٹکلے بھی چھوڑتے رہے اور محفل کو خوب کشت زعفران بناتے رہے آخر پر جناب ڈاکٹر رحیم اللہ شاد اور محترمہ ڈاکٹر رضیہ اسمٰعیل صاحبہ نے اپنی کتب اپنے دستخط ثبت کر کے بندہ ناچیز کو مرحمت فرمائیں۔ اس طرح یہ شام اختتام پذیر ہوئی۔

○○

ٹمبکٹو کا انمول خزانہ - اسلامی مخطوطات

(زکریا ورک کینیڈا)

ٹمبکٹو کا افسانوی شہر مالی (افریقہ) کے ملک میں ہزاروں سال پرانا شہر ہے۔ اس کی شہرت کی بڑی وجہ یہاں پر پرائیویٹ اور پبلک لائبریریوں میں موجود عربی و عبرانی رسم الخط میں لکھے ہوئے سات لاکھ اسلامی مخطوطات

ہیں جو ہزاروں سال پرانے ہیں۔ یہ اسلامی مخطوطات اس شہر کا انمول خزانہ ہیں جس کی دیکھ بھال کے لئے کام شروع ہو چکا ہے۔ یہاں پر صدیوں پرانے قرآن پاک اور صحیح بخاری کے قلمی نسخے ہیں۔ ان مخطوطات کی زبردست اہمیت اور افادیت کے پیش نظر ان کو آنیوالی نسلوں کے لئے محفوظ کرنے کی خاطر ڈے جے ٹائز (digitize) کیا جا رہا ہے۔

مغربی افریقہ میں اسلام کی بے مثال وسعت کے دوران ٹمبکٹو نے مرکزی کردار ادا کیا۔ یہاں پر قرآن کی تعلیم اور تدریس کیلئے عظیم الشان مدرسہ قائم تھا۔ یہاں کے اساتذہ مکہ اور مصر سے تعلیم حاصل کر کے آتے تھے۔ کہتے ہیں کہ چودھویں صدی میں مالی کا متمول بادشاہ منشا موسیٰ (1307-1332ء) جب حج کے عزم سے سفر کرتے ہوئے قاہرہ میں سے گزرا تو اس کے ساتھ 60,000 ہزار غلام، 12,000 خادم اور سپاہی، متعدد بیویاں اور 80 اونٹ تھے۔ ہر اونٹ پر ایک سو پاؤنڈ سونا لدا ہوا تھا۔ قاہرہ میں اس نے اپنی سخاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عوام الناس میں اتنے طلائی تحائف تقسیم کئے کہ بازار میں سونا وافر کمیت میں آجانے سے اس کی قیمت گر گئی۔ بادشاہ کی آمد اور اس کی سخاوت سے مالی کا نام زبان زد عام ہو گیا۔ ٹمبکٹو شہر صحارا کے صحرا کے جنوب میں نائیجر دریا سے 13 کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ شہر کی بنیاد 1100ء میں رکھی گئی تھی۔ تیرھویں صدی میں یہ مالی کی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ ابن بطوطہ جب 1353ء میں یہاں آیا تو یہ مالی کی حکومت کی زیر انتظام تھا۔ کسی زمانے میں یورپ میں انسان نے اگر یہ کہنا ہوتا کہ فلاں شہر کے بعد دنیا ختم ہو جاتی ہے تو فوراً ٹمبکٹو کا شہر ذہن میں ابھر آتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ شہر کسی زمانے میں تجارت اور علم و دانش کا عظیم الشان مرکز ہوا کرتا تھا۔ مسلمان تاجر ویسٹ افریقہ سے سونا شمال کے ممالک اور مشرق وسطیٰ کے ممالک کی طرف لیکر جاتے اور واپسی پر نمک اور دوسری اشیاء تجارت کی غرض سے اپنے ہمراہ لے کر لوٹتے تھے۔ تجارت کی وجہ سے ٹمبکٹو کی

امارت میں بہت وسعت پیدا ہوئی اور ہر طرف مال و دولت کی ریل پیل نظر آتی تھی۔ مالی کے خالص سونے کا چرچا دنیا کے تمام ممالک میں تھا۔ عہد وسطیٰ کے دور میں دنیا کا دو تہائی سونا مغربی افریقہ کی کانوں سے نکالا جاتا تھا۔ مالی کی شہرت ہاتھی کے دانتوں، شترمرغ کے پروں، کولا کے درختوں، کھالوں اور غلاموں کی وجہ سے بھی تھی۔ اس زمانے ایک پاؤنڈ نمک کی قیمت ایک پاؤنڈ سونے کے برابر ہوتی تھی۔ ٹمبکٹو میں دولت کی ریل پیل کی داستانیں مسلمان تاجروں اور یورپین سیاحوں کے ذریعہ دنیا میں پھیلی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ٹمبکٹو اپنے وقت کا بہت بڑا اسلامی مرکز بھی تھا جہاں یورپین سیاحوں کا کھلے عام چلے آنا ممنوع تھا۔ اس زمانے میں ٹمبکٹو کو '333 صوفیوں کا شہر' کہا جاتا تھا۔ سولہویں اور سترھویں صدی میں تجارت بحر الکاہل کے ممالک کی طرف منتقل ہوگئی نیز 1591ء میں مراکش نے مالی پر قبضہ کرلیا اور سونگھے ایمپائر کے خاتمے سے یہ شہر زوال پذیر ہونا شروع ہوگیا۔ دو سال بعد مراکش کی حکومت نے یہاں کے علماء کو شک کی بناء پر اپنی حراست میں لے کر چند ایک کو مراکش ملک بدر کردیا۔ کچھ اس کشمکش کے دوران لقمہ اجل بن گئے۔ اس زمانے میں شہر کی آبادی ایک لاکھ کے قریب تھی۔ بہت سے یورپین افراد ٹمبکٹو آنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ 1824ء میں جیوگرافیکل سوسائٹی آف پیرس نے دس ہزار فرانک کا انعام مقرر کیا جو شخص ٹمبکٹو سے واپس آکر وہاں کے عینی حالات بتلائیگا۔ فرانس نے 1893ء میں ٹمبکٹو کو فتح کر کے یہاں کی صدیوں پرانی عمارتوں کو بحال کیا جو مفلسی کی حالت میں غربت کی علامت بن چکی تھیں۔ 1960ء میں یہ شہر ری پبلک آف مالی کے زیر انتظام آگیا۔ اس وقت بیس ہزار کی آبادی کا شہر ٹمبکٹو مالی کا انتظامی دارالخلافہ ہے۔ یہ ایک بیاباں اور مفلس شہر ہے جو اپنی دوری، غربت، درجہ حرارت اور ریت کے ٹیلوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ ٹمبکٹو کی ائر پورٹ اگرچہ چند سال قبل تعمیر ہوئی تھی مگر جہازوں کے آنے جانے کا شیڈول اس قدر وگرگوں ہے کہ مسافر بیچارے بعض دفعہ کئی روز انتظار میں ہی گزار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود دنیا بھر سے ٹورسٹ یہاں کھینچے چلے آتے ہیں۔ شہر کی تمام تر تجارت نائجر دریا کے ذریعہ ہوتی جو شہر سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ سب سے زیادہ تجارت ہمسایہ ملک ماریٹانیہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

انمول شہر

شہر میں ملازمت کے مواقع بہت محدود ہونے کے باعث اکثر نوجوان ٹورگائیڈ بن جاتے ہیں۔ ان میں سے کئی ایک کے نام تاریخی یا افسانوی ناموں پر ہوتے جیسے علی بابا، جارج واشنگٹن۔ شہر کی سین کور (Sankore) یونیورسٹی میں کسی زمانے میں پچاس ہزار طالب علم ہوتے تھے اور انہی کے ذریعہ اسلام مغربی افریقہ میں پھیلا تھا۔ اس وقت اس یونیورسٹی میں پندرہ ہزار طالب علم ہیں۔ شہر کی بہت ہی دیدہ زیب مسجد جن گے ریبر (Jingereber) جو گارے اور مٹی سے 1325ء میں تعمیر ہوئی تھی ابھی تک محفوظ ہے۔ شہر میں تین قومیتوں کے لوگ آباد ہیں یعنی سونگھرائی (Songhrai)، طوآریگ (Tuareg)، مور (Moore) یعنی ماریتانیا سے آئے ہوئے عربی النسل لوگ۔ ان کا آپس میں ملنا جلنا عام ہے مگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنی اپنی قومی و نسلی روایات کو ابھی تک اپنائے ہوئے ہیں۔ شہر میں ایک انٹرنیٹ کیفے بھی موجود ہے جہاں عورتیں چادریں اوڑھے کمپیوٹرز پر مصروف نظر آتی ہیں۔ چند سال قبل سونگھرائی اور طوآریگ اقوام کے لوگوں میں چپقلش پیدا ہوئی تھی مگر جلد ہی امن و امان کی فضا بحال ہوگئی۔ شہر میں مسلمان فلاسفرز اور سکالرز بڑی تعداد میں رہائش پذیر ہیں جو امن کے قیام میں بھرپور کردار ادا کرتے ہیں۔

شہر کا احمد بابا سینٹر بھی بین الاقوامی شہرت کا حامل ہے جہاں ہزاروں کی تعداد میں کتابوں کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ ان مسودات میں ایک ہزار سال کے اسلامی اور سائنسی علوم مدفون ہیں۔ 1974ء میں یونیسکو اور بعض عرب ممالک کی امداد سے سینٹر کی تزئین اور تعمیر کے بعد اس کا افتتاح ہوا تھا۔ احمد بابا سینٹر میں 20,000 کے قریب عربی زبان میں دستی مخطوطات ہیں جن میں بعض ایک دوسری صدی میں سپرد قلم کئے گئے تھے۔ یہ مخطوطات سائنس، اسٹرانومی اور میڈیسن کے موضوعات پر ہیں۔ یہاں کی ایک مشہور کہاوت یہ ہے کہ: ''سونا جنوب سے آتا ہے، نمک شمال سے آتا ہے، دولت سفید اقوام کے ممالک سے آتی لیکن دانش وری اور حکمت صرف ٹمبکٹو میں ہی پائے جاتے ہیں''۔

مسٹر شریف الفاسین جو علی بابا سینٹر میں پرانی دستاویزات کا ناظم ہے اس کا کہنا ہے کہ عہد وسطیٰ میں ٹمبکٹو دنیا کا مرکز ہوتا تھا۔ پھر خدا نے اس کی تقدیر میں ایسا تغیر پیدا کیا کہ ٹمبکٹو دنیا کا واقعی آخری کنارہ بن گیا۔ لیکن مجھے قوی امید ہے کہ ایک روز خدا اس کی تقدیر بدلے گا اور ٹمبکٹو ایک بار پھر دنیا کا مرکز بن جائے گا۔ شہر کا ایک فلاسفر اسماعیل حیدارہ کہتا ہے کہ ایک زمانے میں ٹمبکٹو کے مکین مسلمان، نصرانی اور اہل یہود ہوا کرتے تھے۔ یہ شہر ہمیشہ رواداری کا مرکز رہا ہے۔ مذہبی اور عصبی رواداری کے موضوع پر شہر کی لائبریری میں تین ہزار کے قریب قدیم مسودات موجود ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ بہ حیثیت ایک مالین کے میں بڑے فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میری رگوں میں نصرانی، یہودی اور مسلمان خون دوڑ رہا ہے۔ مالی کے ملک میں ٹمبکٹو اگرچہ ایک مفلوک الحال شہر ہے لیکن افریقہ بلکہ دنیا کا یہ ایک سب سے پرانا اور کتابوں کے خزانے سے بھرا متمول شہر ہے۔

شہر کی مساجد

جنگا ریبر مسجد (Jingareyber) اس مسجد کی تعمیر مالی کے سلطان کنکان موسیٰ نے 1325ء میں شروع کی تھی جب وہ حج سے واپس لوٹ کر آیا تھا۔ جرمنی کا سیاح ہائن رک بارتھ (H. Barth) جو یہاں 1853ء میں آیا تھا اس کا کہنا ہے کہ مسجد کے بڑے گیٹ پر 1327 کی تاریخ اور کنکان موسیٰ کا نام کندہ تھا۔ اس کا نقشہ اسلامی سپین کے آرکی ٹیکٹ ابو اسحق الساحلی نے تیار کیا تھا۔ سلطان کی اس سے ملاقات حج کے دوران مکہ میں ہوئی تھی جو اس کو سونے کے چالیس ہزار مثقال کے عوض اپنے ساتھ لیتا آیا تھا۔ مسجد میں دو ہزار افراد نماز ادا کر سکتے تھے۔ مسجد کی تعمیر نو ٹمبکٹو کے قاضی امام العقیب نے 1570-1583ء کے دوران کروائی تھی۔ مسجد کا شمالی حصہ چونے کے پتھر سے بنائی گئی جبکہ باقی کی مسجد مٹی کے گارے سے بنائی گئی جس میں سوت، تنکے اور لکڑی کا بھوسہ شامل کیا گیا تھا۔ مسجد کے دو مینارے اور ستونوں کی پچیس قطاریں جو مشرق اور مغرب کی سمت میں ہیں۔ مسجد کی زبوں حالی کے پیش نظر 1990ء میں اس کو 'لسٹ آف ورلڈ ہیری ٹیج ان ڈینجر' میں شامل کیا گیا اور دسمبر 1996ء کے بعد 'ورلڈ ہیری ٹیج فنڈ سے ملنے والی رقم سے اس کو بحال کر دیا گیا۔

سن کور مسجد (Sankore)۔ اس مسجد کی تعمیر ایک دولت مند مسلمان نے 1433ء میں شروع کی۔ پرانے ڈھانچے کو گرا کر اس کی تعمیر نو بھی امام العقیب نے 1578-1582ء میں کی تھی۔ حج کے دوران امام العقیب نے کعبہ کی عمارت کی پیمائش کی اور واپس آ کر اسی سائز کی مسجد تعمیر کروائی۔ مسجد کی تعمیر میں بھی وہی میٹریل استعمال کیا گیا جو جنگا ریبر میں کیا گیا تھا۔ موسم سرما میں اندرون مسجد نماز ادا کرنے کیلئے صفوں کی نشاندہی کی گئی ہے جبکہ موسم گرما میں صحن میں نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ مسجد کے عین مرکز میں ایک منفرد مینارہ ہے جس کی بلندی پندرہ میٹر (48 فٹ) ہے۔ مسجد کا شمالی حصہ مدرسہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا اور یونیورسٹی آف سن کور کے نام سے مشہور تھا۔ تاریخ الافتاح کے مصنف کے مطابق پندرھویں صدی میں یہاں پندرہ ہزار طالبعلم تعلیم پا رہے تھے۔ یہاں کے فاضل اساتذہ قانون، صرف ونحو، علم نجوم، تاریخ اور دینیات کی تعلیم سے طالب علموں کو بہرہ ور کرتے تھے۔ مسجد کو سب سے زیادہ خطرہ صحرا سے آنیوالی ریت سے رہا حتیٰ کہ 1952ء میں ریت کے پانچ فٹ اونچے ڈھیر مسجد کے سامنے لگ گئے تھے۔ چنانچہ مسجد کی چھت اٹھا کر دیواریں اونچی کی گئیں۔ مسجد کے سامنے کے حصہ پر چونے کا پتھر لگا یا دیا گیا مگر مسجد کے مغربی حصہ کا ایک گیٹ ریت میں دفن ہو چکا تھا جس سے مسجد کے سٹرکچر کو نقصان پہنچا۔ اس کی بحالی کیلئے مسجد کی انتظامیہ نے ٹمبکٹو کلچرل مشن اور مالی کی منسٹری آف کلچر کے مالی تعاون سے بحالی کا کام شروع کیا۔ 1996ء میں یونیسکو کے ورلڈ ہیری ٹیج فنڈ نے بھی امداد مہیا کی۔

سدی یحییٰ مسجد (Sidi Yahia)۔ شہر کی مشہور ترین تین مساجد میں سے اس مسجد کی دیکھ بھال سب سے زیادہ کی گئی ہے۔ روایت کے مطابق اس مسجد کی تعمیر شیخ المختار حماء اللہ نے 1400ء کے لگ بھگ کروائی تھی اس امید پر کہ ایک ولی اللہ کی آمد متوقع تھی۔ یہ ولی اللہ چالیس سال بعد سدی یحیٰ کی صورت میں نمودار ہوا جس کا تقرر امام کے طور پر ہوا تھا۔ 1577ء کے لگ بھگ امام العقیب نے مسجد کے شکستہ حصوں کو بحال کروایا۔ مینار کے اندر روزن بنائے گئے اور صحن کو کشادہ کر دیا گیا۔ مسجد کے اندر ستونوں کی قطاریں شمال اور جنوب کے رخ پر تھیں تا نمازیں موسم سرما میں عمارت کے اندر ادا کی جاسکیں۔ 1990ء میں مسجد کو لسٹ آف ورلڈ ہیری ٹیج ان ڈینجر میں شامل کر دیا گیا جس کے بعد مسجد کی حفاظت اور بحالی کیلئے یونیسکو کے 'ورلڈ ہیری ٹیج فنڈ' میں سے رقم موصول ہو رہی ہے۔

عرب سیاح کی آمد

حسن بن محمد الوزان الغرناطی (1485-1554) کی پیدائش غرناطہ (اسلامی سپین) میں ہوئی تھی۔ اس کے خاندان کو جب ملک بدر کیا گیا تو وہ مراکش میں قیام پذیر ہو گئے۔ وہ اپنے چچا کے ہمراہ نارتھ افریقہ اور گھانا کے ملک میں ڈپلو میٹک مشنز پر گیا تھا۔ حالت شباب میں اس کو نصرانی بحری قزاقوں نے اغوا کر کے عالم وفاضل پوپ لیو دہم (Leo X) کے حضور پیش کیا۔ پوپ نے اس کو اطالین زبان میں سروے آف افریقہ' کے موضوع پر مفصل کتاب لکھنے کو کہا۔ اس نے گھانا کے شہر ٹمبکٹو کو وزٹ کیا جو تجارت اور کتابوں کا عالمی مرکز تھا۔ حسن نے ٹمبکٹو میں جو کچھ دیکھا اس کا اندازہ اس کی کتاب ''دی ڈسکرپشن آف افریقہ'' میں کچھ یوں ہے: ''ٹمبکٹو کے گھر جھونپڑوں جیسے ہیں جن کی چھت گھاس پھونس سے بنائی ہوتی ہے۔ شہر کے مرکز میں ایک عبادت خانہ ہے جو پتھر اور چونے کے مسالے سے بنا ہوا ہے۔ اس کو ایک آرکی ٹیکٹ نے بنایا تھا جس کا نام غرناطہ (اسحق الساحلی الغرناطی) تھا۔ یہاں ایک اور عظیم محل بھی ہے جو اسی شخص نے تعمیر کیا تھا۔ کاریگروں اور تاجروں کی دکانیں خاص طور پر پارچہ بافوں کی دکانیں کثیر تعداد میں ہیں۔ یورپ سے پارچہ جات درآمد کئے جاتے ہیں۔ شہر کی عورتیں اپنے چہروں پر نقاب ڈالنے کے رواج پر عمل پیرا ہیں ماسوا غلاموں کے جو منڈی میں تمام اشیاء فروخت کرتے ہیں۔ شہر کے لوگ بہت متمول، خاص طور پر غیر ملکی جو اس ملک میں آباد ہو گئے ہیں۔ ان کے تمول کی یہ حالت ہے کہ موجودہ بادشاہ نے اپنی دو بیٹیاں دو بھائیوں سے بیاہ دیں جو بزنس مین ہونے کی وجہ سے بہت مالدار ہیں۔

ٹمبکٹو میں کثیر تعداد میں میٹھے پانی کے کنویں ہیں۔ جب دریائے نائجر میں طغیانی

آتی ہے تو نہروں کے ذریعہ پانی شہر تک لایا جاتا ہے۔شہر میں گندم اور جانور بھی کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔دودھ اور مکھن کا استعمال بہت ہوتا ہے۔نمک کی یہاں قلت ہے کیونکہ یہ ٹمبکٹو سے پانچ سو میل دور شہر تگازا سے لایا جاتا ہے۔جس میں شہر میرا قیام تھا وہاں نمک کی قیمت 80 ڈوکاٹ (Ducat) تھی۔بادشاہ کے پاس سکوں اور سونے چاندی کے ڈلے ہیں جبکہ ان میں سے ایک ڈلے کا وزن 970 پاؤنڈ ہے۔ بادشاہ کے پاس تین ہزار گھوڑ سوار اور ان گنت سپاہی ہیں جو تیر کمانوں سے لیس ہوتے۔بادشاہ اہل یہود کا پکا دشمن ہے۔وہ کسی کو شہر میں قیام کرنے نہیں دیتا۔شہر میں بہت سارے قاضی، اساتذہ اور علما ہیں جن کا تقرر بادشاہ خود کرتا ہے۔وہ علم کی قدر کرتا ہے۔ہاتھ سے لکھی کتابیں باربری سے درآمد کر کے فروخت کی جاتیں ہیں۔اس تجارت سے سب سے زیادہ منافع کمایا جاتا ہے بہ نسبت دیگر اشیاء کی خرید و فروخت سے۔شہر میں باغات یا پھل والے درختوں کے باغیچے نہیں ہیں۔''

(The Description of Africa by Leo Africanus 1526)

ابن بطوطہ کا سفر

ابن بطوطہ نے مغربی افریقہ کا سفر فیض (مراکش) سے 1351ء میں شروع کیا اور فروری 1352ء میں وہ ولاطہ شہر میں آن وارد ہوا۔اونٹوں کا کارواں جب طاغازہ شہر پہنچا تو پورے قافلے نے یہاں دس روز تک قیام کیا۔ابن بطوطہ نے ایک ایسے نادر مکان میں قیام کیا جو سارے کا سارا نمک سے بنا ہوا تھا صرف اس کی چھت اونٹ کی کھال کی تھی۔یہاں کا پانی بہت نمکین تھا۔ولاطہ کے شہر میں جب وہ قاضی کی عدالت میں گیا تو اس کا استقبال ایک عورت نے کیا جو قاضی کی دوست تھی۔ابن بطوطہ کو یہ برا لگا۔ابن بطوطہ نے مالی میں آٹھ ماہ قیام کیا۔اس نے دیکھا کہ والدین اپنے بچوں کو قرآن بڑی سختی سے حفظ کراتے تھے۔پورے ملک میں امن و امان تھا۔جب وہ ٹمبکٹو پہنچا تو اس وقت یہ شہر ترقی کے زینہ پر گامزن ہونا شروع ہوا تھا۔اس لئے وہ اس سے زیادہ متاثر نہ ہوا۔

ٹمبکٹو کے علما اور دانشور

ٹمبکٹو کے شہر نے درجنوں ممتاز دانشور پیدا کئے۔یہاں کے نیگرو سکالر تیونس، مراکش اور مصر کے عالموں سے زیادہ روشن خیال تھے۔ان کو مراکش اور مصر کی جامعات میں پروفیسر تعین کیا جاتا تھا۔شہر میں جو عالم آتے تھے ان سے کہا جاتا تھا کہ وہ اپنی کتابیں نقل کرنے کی اجازت دیں چنانچہ ان کے شاگرد یہ کتابیں نقل کر لیتے تھے۔ان عالموں میں سے بعض نے تصوف کے میدان میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ان کی اکثریت قادریہ طریقہ کی پیروکار تھی جس کے بانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تھے۔ان میں سے چند ایک کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے:

مودیبو محمد الکبوری کا تعلق فلانی قوم سے تھا۔وہ ایک مانے ہوئے فقیہ اور قاضی تھا۔انہوں نے سن کور یونیورسٹی کے متعدد مذہبی علمائے کرام کی معیت میں وقت گزارا۔ انہوں نے سن کور یونیورسٹی کا نصاب تعلیم طے کیا تھا۔ القاضی الحاج والاطہ شہر کے قاضی تھے۔بعد میں وہ ٹمبکٹو شہر کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔انہوں نے ٹمبکٹو کے شہریوں کو ہدایت کی کہ وہ عصر کی نماز کے بعد اور پھر مغرب کی نماز کے بعد قرآن پاک کا کچھ حصہ (حزب) تلاوت کیا کریں۔ابوعبداللہ محمد ابن عثمان کا تعلق طوآرگ قبیلہ سے تھا۔وہ علم کا سمندر تھے جس کی وجہ سے ان کو ٹمبکٹو کے قاضی کے عہدہ پر تفویض کیا گیا۔وہ بہت ہی نیک اور زاہد انسان تھے جس کا شجرہ نسب احمد بابا سوڈانی سے ملتا تھا۔شیخ سدی محمود ابن عمر کو شیخ الاسلام ابوالبرکات کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔وہ ٹمبکٹو کے قاضی القضاۃ، اور یونیورسٹی آف سن کور کے چانسلر تھے۔وہ نہایت پارسا، حیادار، اور عاجز انسان تھے۔ان کو عربی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا۔مختار محمد ابن عثمان کا لقب النحوی تھا یعنی گرائمر کا ماہر۔وہ روشن دماغ سکالر تھے جس کو تمام اسلامی عبور پر دسترس حاصل تھی۔محمد ابن المختار النحوی کو قاضی محمود نے امام اور یونیورسٹی آف سن کور کا چانسلر مقرر کیا تھا۔اپنے والد کی طرح ان کو بھی عربی زبان پر عبور حاصل تھا۔رمضان المبارک کے مہینہ میں وہ ہر سال قاضی عیاد کی کتاب الشفاء کا درس دیا کرتے تھے جس کو سن کر حاضرین مسحور ہو جاتے تھے۔محمود قطی (Kati) ٹمبکٹو کے افضل ترین عالم تھا جس کے والد اندلس سے ہجرت کر کے 1400s میں یہاں آئے تھے۔اس کی والدہ کا تعلق سونگھے کے شاہی خاندان سے تھا۔ان کے نام سے منسوب لائبریری کا نام فانڈو قطی (Fondo Kati) لائبریری ہے۔اسماعیل حیدارا جو اس کی نسل سے ہے اس کو اس لائبریری میں موجود ہزاروں نسخوں کو محفوظ کرنے کے لئے سپین کی حکومت نے خاص گرانٹ دی ہے۔

محمد باگایوگو ٹمبکٹوی (Bagayogo) سدی یحیٰ اور سن کور یونیورسٹیوں میں ممتاز اور مقبول عام پروفیسر تھے۔ان کے والد پندرھویں صدی میں یمن سے یہاں آئے تھے۔ان کو اسلامی علوم پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ جب وہ مکہ جاتے ہوئے قاہرہ رکے تو الازہر یونیورسٹی کی طرف سے ان کو معلم (ڈاکٹر) کا خطاب دیا گیا۔وہ ایک مانے ہوئے فقیہ تھے۔ان کا زیادہ وقت عموماً تدریس میں صرف ہوتا تھا۔وہ اپنے دوستوں اور شاگردوں کو اپنی ذاتی کتابیں بلاتکلف مطالعہ کے لئے دے دیتے اور واپس بالکل نہ مانگتے تھے۔ان کو ٹمبکٹو کا قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔انہوں نے قرآن

مجید کی کتابت اپنے ہاتھ سے کئی بار کی جس کے نسخے ابھی تک بابا محمود کے پاس موجود ہیں جو سدی یحییٰ مسجد کے امام تھے۔ ان کو عربی صرف ونحو، فقہ، حدیث اور منطق پر دسترس حاصل تھی۔ ان کے ایک مشہور کا نام احمد بابا تھا۔

احمد بابا سوڈانی کا شجرہ نسب عمر ابن محمد عقیت سے ملتا تھا۔ وہ خود کو احمد بابا سیاہ فام کہلانا پسند کرتے تھے۔ وہ اپنے وقت کے مانے ہوئے قاضی، سکالر اور امام تھے۔ ان کی شہرت شمالی افریقہ اور مغربی افریقہ میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ ٹمبکٹو کے قاضی مقدمات کے فیصلہ جات کرتے وقت آپ سے قانونی مسائل میں مشورہ کیا کرتے تھے۔ وہ امراء اور بادشاہوں کے سامنے کلمہ حق بولنے میں سر مو انحراف نہ کرتے تھے۔ جب مراکش کی حکومت نے ٹمبکٹو پر حملہ کیا تو ان کی لائبریری میں 1600 کے قریب موجود مسودات کو تلف کر دیا گیا۔ ان کو 1593ء میں فیض کے شہر میں دربدر کر دیا گیا۔ انہوں نے دینیات، گرائمر، تاریخ اور فقہ پر 50 معرکتہ الآراء کتابیں تصنیف کیں۔ وہ برطانوی شاعر ولیم شیکسپیئر کے ہم عصر تھے۔ انہوں نے شیکسپیئر سے زیادہ کتابیں زیب قرطاس کیں مگر وہ صرف اس بناء پر گمنام رہے کہ وہ ٹمبکٹو کے رہنے والے تھے۔ ٹمبکٹو یورپین قوموں کے نزدیک کسی گمنام اور افسانوی جگہہ کا نام تھا۔ آپ کے نام سے منسوب شہر میں ایک ادارہ ''احمد بابا انسٹی ٹیوٹ'' ہے جس میں 30,000 کے قریب مخطوطات ہیں۔ ان میں سے بعض کی کتابت طلائی کی روشنائی سے کی گئی ہے۔ ان انمول مخطوطات میں علم فلکیات، ریاضی، جیوگرافی، ہربل میڈیسن، جمہوریت اور سیاسیات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

یونیورسٹی آف ٹمبکٹو

یونیورسٹی آف ٹمبکٹو کے طلباء تین مساجد میں تعلیم حاصل کرتے تھے یعنی جنگارے بر مسجد، مسجد سن کورا اور مسجد سدی یحییٰ۔ بارہویں صدی میں اس یونیورسٹی میں 25,000 ہزار طالب علم زیور تعلیم سے آراستہ ہو رہے تھے جبکہ شہر کی آبادی 100,000 تھی۔ یہاں طالب علم افریقہ کے ہر ملک سے تحصیل علم کے لئے آتے تھے۔ جب کوئی طالب علم تعلیم مکمل کر لیتا تو اسے پگڑی اس کی گریجوئیشن کی نشانی کے طور پر دی جاتی تھی۔ پگڑی میں خاص قسم کی گرہیں اور گول گھیرے ہوتے تھے۔

یونیورسٹی میں تین قسم کی ڈگریاں دی جاتی تھیں (1) ڈگری درجہ اول (پرائمری) میں طالبعلم قرآن پاک حفظ کرتا، عربی زبان پر عبور حاصل کرتا نیز لکھنے اور بولنے میں مہارت حاصل کرتا تھا۔ طالبعلموں کو دیگر علوم کے متعلق بنیادی معلومات مہیا کی جاتی تھیں۔ (2) ڈگری درجہ دوم (سیکنڈری) طالبعلم کا حفظ قرآن کرنا لازمی تھا کیونکہ تمام اسلامی علوم کا منبع قرآن مجید ہے۔ طالبعلموں کو مختلف اسلامی علوم سے متعارف کرایا جاتا جیسے صرف ونحو، قرآن کی تفاسیر، مسالک اسلام، فقہ، حدیث، ریاضی، جیوگرافی، تاریخ، علم ہیئت، علم کیمیا۔ طالبعلم کچھ عرصہ کے لئے کوئی ہنر بھی سیکھتے تھے۔ یونیورسٹی میں صنعت وحرفت کا خاص شعبہ تھا جس میں مچھلی پکڑنا، کنسٹرشکن، جوتیوں کی مرمت، لکڑی کا کام، درزی کا کام، جہاز رانی وغیرہ کی تربیت دی جاتی تھی۔ کسی خاص ہنر میں دسترس حاصل کرنے کا مدعا یہ تھا تاکہ امام یا عالم دین کسی امیر کی طرف سے دئے جانے والے وظیفہ پر زندگی نہ گزارے اور جب اسے نزاعی امور میں فیصلہ دینا ہو تو وہ بالکل غیر جانبدار ہو۔ (3) ڈگری درجہ اولیٰ کے لئے نصاب تعلیم بہت خاص قسم کا ہوتا تھا۔ طالب علم ممتاز ومعروف پروفیسروں کی کلاسز میں بیٹھ کر کسی خاص مضمون میں تعلیم حاصل کرتا تھا۔ طالب علم زیادہ تر ریسرچ کا کام کرتے تھے جیسے پروفیسران کو اسلامی علوم میں سے مختلف موضوعات پر کسی ایک موضوع پر تحقیق کرنے کا کہتے تھے۔ اس کے بعد ہر طالب علم اپنی ریسرچ پیش کرتا، اس کے حق میں دلائل دیتا اور اپنے پروفیسر کو اپنے دلائل سے قائل کرتا۔ اس دوران دوسرے طالب علم بھی اس سے سخت قسم کے سوالات کرتے تھے۔ اکثر طالب علم کسی شیخ یا امام کو تلاش کر کے اس کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر لیتے تھے۔ گریجوئیشن کیلئے طالب علم کا نیک کردار ہونا اور اپنے مضمون پر مکمل دسترس رکھنا لازمی ہوتا تھا۔

حلقہ

حلقہ گویا ایک قسم کا پروفیسروں، اماموں اور محققین کی سوسائٹی ہوتی تھی جہاں اسلام کے نہایت اہم امور اور پیچیدہ مسائل پر باہم تبادلہ خیال کیا جاتا تھا۔ سوڈان کے امیر اور سلطان ٹمبکٹو کے محققوں کو مشکل مسائل کے قطعی فیصلوں کے لئے سوالات بھیجا کرتے تھے۔ ان سوالات کی نقلیں اس حلقہ کے علما میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ ہر عالم اس مسئلہ پر ریسرچ کرتا پھر وہ سب مل کر بیٹھ جاتے اور ان کے جوابات پر غور وخوض کرتے تھے۔ ان جوابات کا مسودہ تیار کر لیا جاتا اس کے بعد کسی مسئلہ پر فتویٰ دیا جاتا تھا۔

ٹمبکٹو کے مخطوطات

جیسا کہ بیان کیا گیا ٹمبکٹو میں ستر لاکھ سے زیادہ عربی اور عبرانی زبان میں نادر اسلامی مخطوطات موجود ہیں جو کہ مغربی افریقہ کا انٹلیکچوئیل (علمی) ورثہ ہیں۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ افریقہ میں ایک وقت ایڈوانس قسم کی تہذیب پائی جاتی تھی۔ امریکہ کی یونیورسٹیوں میں طالب علموں کو بتایا جاتا ہے کہ افریقہ کی منہ بولی تاریخ تو ہے لیکن لکھی ہوئی تاریخ (written history) موجود نہیں اور نہ ہی افریقہ میں علمی روایت پائی جاتی تھی۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اس کی تردید امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کے

پروفیسر ہنری گیٹس جونیئر (Henry Gates Jr) بھی کر چکے ہیں جو ٹمبکٹو میں بذات خود جا کر ان مخطوطات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہیں۔ یورپ میں نشاۃ ثانیہ سے قبل ٹمبکٹو اس دور کا سب سے اعلیٰ علمی گہوارہ اور تجارت کا مرکز تھا۔ گھانا، مالی اور سونگھائی کی سلطنتیں اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں کہ یہاں کے لوگوں کے دماغ نہایت زرخیز اور ان لوگوں کی علمی ذہانت اور قابلیت فقید المثال تھی۔ یونیورسٹی آف ٹمبکٹو سے جو سکالر پیدا ہوئے وہ اعلیٰ کردار، علمی مقام اور چوٹی کے دانشور تھے۔ یہاں جو اسلامی مخطوطات ابھی تک محفوظ ہیں وہ گوناگوں موضوعات پر ہیں جیسے تاریخ، جغرافیہ، میڈیسن، علم المناظر، علم فلکیات، طبیعات، علم کیمیا، اور اسلامی علوم۔ یہ مخطوطات مرور زمانہ کے ساتھ فرسودہ ہو چکے ہیں لیکن ان کو محفوظ کرنے کا کام ٹمبکٹو فاؤنڈیشن کے تحت شروع ہو چکا ہے۔ کئی ہزار مخطوطات محفوظ کئے جا چکے ہیں۔

یک زمانہ میں مخطوطات گھروں کی الماریوں میں رکھے جاتے تھے۔ بعض خاندان اپنے مخطوطات غیر ملکیوں (یورپین ایکسپلورز اور فرنچ کالونسٹ) کی غیر متوقع آمد کے خطرے کے پیش نظر ان کو کنوؤں اور گھروں کی مٹی سے بنی دیواروں میں بنے خفیہ سٹور رومز میں چھپا دے تھے۔ یہ مخطوطات نسل در نسل ان خاندانوں میں چلے آتے تھے۔ مثلاً عبدالقادر حیدارا کو نو ہزار ایسے مخطوطات ورثے میں ملے جن میں سے بعض کا تعلق سولہویں صدی سے ہے۔ 1993ء میں اس کو خیال آیا کہ کیوں نہ وہ ایک پرائیویٹ ماڈرن لائبریری کھولے جس کے دروازے خاص و عام کیلئے کھلے ہوں۔ چنانچہ ایک امریکن فاؤنڈیشن کی مالی معاونت سے اس نے ماما حیدارا لائبریری کھول لی جس میں تین ہزار مخطوطات کیٹالاگ ہو چکے ہیں ان میں سے بعض 1100ء میں لکھے گئے تھے۔ لائبریری آف کانگریس نے جون 2003ء میں ان مخطوطات کی واشنگٹن میں نمائش کا اہتمام کیا تھا۔ ان مخطوطات کی عربی کیٹالاگ کی پہلی جلد انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔ www.al-furqan.com

ماما حیدارا لائبریری کے علاوہ یہاں کی قابل ذکر پرائیویٹ لائبریریوں کے نام درج ذیل ہیں: الونگاری لائبریری۔ قاضی محمد طاہر لائبریری اور محمود قطی لائبریری۔ مؤخر الذکر لائبریری میں موجود چند اہم کتابیں یہ ہیں۔ دلائل الحیرات (1485ء)۔ قرآن پاک کا قلمی نسخہ (1424ء)۔ صحیح بخاری (1419ء)۔ الشفاء مصنفہ قاضی عیاد (1467ء)۔ ٹمبکٹو کے گردونواح میں پائی جانیوالی چند لائبریریاں یہ ہیں: لائبریری آف شیخ صدیقی، لائبریری آف شیخ زین الدین، لائبریری آف شیخ مختار انصاری، لائبریری آف قاضی عیسیٰ، لائبریری آف عبدالرحمن سدی، لائبریری آف مولے احمد بابر، لائبریری آف شیخ سدی علی، لائبریری آف طاہر شریفی وغیرہم۔

ان لائبریریوں میں موجود مخطوطات کو محفوظ کرنے کے لئے یورپین، امریکن اور افریقن ماہرین شب و روز کام کر رہے ہیں۔ بعض ایک قلمی نسخوں کا کاغذ اتنا بوسیدہ ہو چکا ہے کہ حقیقتاً الفاظ کتاب میں سے زمین پر گرتے رہتے ہیں۔ بعض نسخے افریقن زبانوں میں ہیں مگر عربی رسم الخط میں لکھے ہوئے ہیں۔ ایسے نسخوں کے تراجم کا کام بھی ہو رہا ہے۔ ماہرین یہ بھی کوشش کر رہے ہیں کہ ان مخطوطات میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس سے دوسروں کو بھی آگاہ کیا جائے۔ اکتوبر 2005ء میں ساؤتھ افریقہ کے صدر تھابو ما بیکی (Thabo Mbeki) نے آپریشن ٹمبکٹو کی مہم کا آغاز کیا جس کا مقصد احمد بابا انسٹی ٹیوٹ کے لئے نئی عمارت تعمیر کرنا اور بعض نادر الوجود نسخوں کی بحالی و نمائش ہے۔ اس انسٹی ٹیوٹ کے عملہ کے کئی افراد ان پرانے مخطوطات کو محفوظ اور بحال کرنے کے لئے لندن (انگلینڈ) میں ٹریننگ لے رہے ہیں۔ ان کو digitize کرنے کے لئے ان افراد کو کمپیوٹر ٹریننگ بھی دی جا رہی ہے۔ ابھی تک ڈھائی ہزار نسخوں کو انالائز کیا جا چکا ہے۔ اس سارے کام کے لئے ناروے، امریکہ اور ساؤتھ افریقہ کی حکومتوں نے بڑی فراخدلی سے فنڈز مہیا کئے ہیں۔ کاش کہ تیل کی آمد سے لدے ہوئے اسلامی ممالک بھی اس اہم کام کی طرف توجہ دیں اور نسل انسانی کے اس انمول ورثہ کو بچانے کے لئے اس زبردست مہم کے لئے فنڈز مہیا کریں۔ یہ اسلامی مخطوطات ہمارا ورثہ ہیں ان کو محفوظ کرنا ہمارا کام ہے۔ مڈل ایسٹ کے ممالک میں عالی شان ہوٹل، گولف کے لئے میدان، مصنوعی جزیرے، سر بفلک عمارتیں تو تعمیر کی جا رہی ہیں جو ایک زلزلہ سے اوندھے منہ زمین بوس ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس انمول خزانے کو محفوظ کرنے سے اجتناب برتا جا رہا ہے۔ اگلی نسلوں کے لئے ان بیش بہا مسودات کو محفوظ کرنا ہمارا اولین فرض ہونا چاہئے۔

❁

آج کا لطیفہ

باپ: میرے چار بچے ہیں
ایک نے MBA کیا ہوا ہے
دوسرے نے MA کیا ہوا ہے
تیسرے نے PHD کیا ہوا ہے
اور چوتھا چور ہے
دوست: تو چور کو اپنے گھر سے نکالتے کیوں نہیں ہو؟
باپ: وہی تو کماتا ہے باقی سب بیروزگار ہیں!!!